قومی سوانح حیات کا سلسلہ

رنجیت سنگھ

ڈی - آر - سود

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا نئی دہلی

www.taemeernews.com

شری ڈی۔ آر۔ سود ۱۹۰۷ء میں پیدا ہوئے اور انھوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۲۸ء میں انگریزی میں ایم اے کیا۔ پنجاب کے بہت سے کالجوں میں انگریزی کے پروفیسر کی حیثیت سے خدمت سرانجام دینے کے بعد وہ ۱۹۴۷ء میں اخبار "دی ٹریبون" کی بزمِ ادارت میں چیف اسسٹینٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے شامل ہو گئے۔ "دی ٹریبون" میں ۲۱ سال کی ممتاز تزئین خدمت کے بعد وہ حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں۔ انھوں نے بہت سے مضامین قلمبند کئے ہیں اور "ٹریبون" کی مختصر تاریخ بھی لکھی ہے۔

شری ڈی۔ آر۔ سود ایک سلیم الطبع مصنف ہیں اور اُن کا مہاراجہ رنجیت سنگھ کا مطالعہ مفاہمت، قدرشناسی اور ہمدردی سے بھرپور ہے۔ یہ کتاب جو ایک عام قاری کے لیے لکھی گئی ہے اپنی ہی دلکشی رکھتی ہے۔

www.taemeernews.com

قومی سوانح حیات کا سلسلہ

رنجیت سنگھ

مصنفہ
ڈی۔ آر۔ سود

مترجم
مخمور جالندھری

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
نئی دہلی

www.taemeernews.com

قومی سوانح حیات کا سلسلہ

رنجیت سنگھ

مصنفہ
ڈی۔ آر۔ سود

مترجم
مخمور جالندھری

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
نئی دہلی

www.taemeernews.com

مارچ ۱۹۷۱ (پھاگن ۱۸۹۲)

© ڈی۔آر۔سود، ۱۹۶۸

قیمت :- ۲/۷۵

RANJIT SINGH
(URDU)

نقسم کار
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۵، دہلی ۶ . بمبئی ۳، علی گڈھ (یو پی)

سکریٹری نیشنل بک ٹرسٹ — انڈیا نئی دہلی ۱۶ نے لبرٹی آرٹ پریس
(پروپرائٹر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) دریا گنج دہلی ۶ میں چھپوا کر شایع کیا

www.taemeernews.com

پیش لفظ

قدیم زمانہ سے ہی اس ملک میں زندگی کے ہر شعبہ میں عظیم الشان شخصیتیں پیدا ہوتی رہی ہیں۔ ہماری تاریخ ایسی ممتاز ترین شخصیتوں کے ناموں سے بھری پڑی ہے۔ جنھوں نے آرٹ، ادب، سیاست، سائنس اور دیگر میدانوں میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ چند شخصیتیں تو گھر گھر مشہور ہیں۔ بہت سی شخصیتیں ایسی ہیں جن کے ناموں سے لوگ آشنا تو ہیں لیکن ان کے افسانۂ حیات اور کام سے واقف نہیں ہیں۔ دیگر شخصیتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں لوگ بہت کم جانتے ہیں۔ لیکن انھوں نے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔

کسی ملک کی تاریخ بڑی حد تک اس کے عظیم مردوں اور عورتوں کی تاریخ ہوا کرتی ہے۔ انھوں نے اسے سانچے میں ڈھالا اور تعمیر کیا۔ عام شہریوں کے لیے ان شخصیتوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ جاننا بہت ضروری ہے تاکہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ ہمارے ملک کا ارتقاء کیسے ہوا ہے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ ایک طاقت ور حکمران تھے۔ جن میں ذہن و دل کے بہت سے اوصاف کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ ایک چھوٹے سے راجہ کی حیثیت سے ابتدا کر کے

www.taemeernews.com

پیش لفظ

انھوں نے اپنے لیے ایک ایسی سلطنت تراشی جس پر ہر کوئی فخر کرسکتا ہے۔ انھوں نے پنجاب کو قومیت کا احساس عطا کیا اور صحیح معنوں میں ایک سیکولر (لادینی) ریاست کو فروغ دیا۔ جس میں مسلمان ان کے وزراء تھے، مشیر تھے اور جرنیل تھے۔ انھوں نے مسجدیں تعمیر کیں وہ ہندوؤں کے مندروں میں اور سکھوں کے تیرتھ استھانوں پر نذرانے اور تحائف لے کر جایا کرتے تھے۔ وہ ایک زیرک اور تیز فہم سپاہی تھے۔ وہ جب تک زندہ رہے انھوں نے انگریزوں کے تسلط کی توسیع کو روکے رکھا۔ صد افسوس کہ وہ اپنے کارہائے نمایاں کو استحکام بخشنے کے لیے زیادہ دیر تک زندہ نہ رہے اور انھوں نے جو سلطنت تعمیر کی تھی وہ ان کی وفات کے فوراً ہی بعد ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

ہم "ٹریبون" کے سابق مدیر شری ڈی۔ آر۔ سود کے ممنون ہیں کہ انھوں نے یہ کتاب بڑی ہمدردی اور مفاہمت کے ساتھ لکھی ہے۔

نئی دہلی

بالکرشن کیسکر

www.taemeernews.com

فہرست

	پیش لفظ	۵
۱	تمہید	۹
۲	آباؤ اجداد اور ابتدائی ایام	۱۵
۳	ابتدائی فتوحات	۲۰
۴	بعد کی فتوحات	۲۸
۵	کوہِ نور سے متعلق واقعہ	۳۷
۶	گھوڑے اور توپیں	۴۱
۷	رنجیت سنگھ کا دربار	۴۴
۸	مہاراجہ کی فوج اور یورپی افسر	۵۹
۹	شہری نظم و نسق	۶۵
۱۰	مہاراجہ کی بیویاں اور خاندان	۷۱
۱۱	عظیم اور مسرت آفریں مواقع	۸۱
۱۲	علالت اور موت	۸۹
۱۳	شکل و شباہت اور کردار	۹۵
۱۴	رنجیت سنگھ کی شخصیت کی جھلکیاں ۱	۱۰۶
۱۵	رنجیت سنگھ کی شخصیت کی جھلکیاں ۲	۱۱۷
۱۶	کارِ نمایاں اور تاریخ میں مقام	۱۲۴

www.taemeernews.com

پہلا باب

تمہید

پنجاب کی تاریخ اور رنجیت سنگھ کے برسرِ اقتدار آنے سے پہلے کے دھائی سالوں میں لوگوں کی حالت پر ایک طائرانہ نظر اس ارتقار کو سمجھنے کے لیے بہت ضروری ہے جو پانچ دریاؤں کی سرزمین کے لیے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ ہندوستان کے وسط میں داخل ہونے والے خطے کی حیثیت سے پنجاب کو شمال مغرب سے بہت سے حملوں کا تجربہ ہوا تھا۔ اور ہر وقت تجربہ بہت ہی تلخ اور ابتر ثابت ہوا تھا۔ بعض اوقات دشمن کو ہندوستان کی بے پناہ دولت کا لالچ کھینچ لاتا تھا اور بعض اوقات اسے کوئی راجہ دوسرے راجہ کو نیچا دکھانے کے لیے دعوت دیا کرتا تھا۔ مغل، ایرانی اور افغان حملہ آور ہمیشہ مسلمان ہی ہوا کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب میں بہت عرصہ پہلے ہی مسلمانوں کی کافی آبادی ہو چکی تھی۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنھوں نے حملہ آوروں یا نئے حکمرانوں کا مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس طرح اس ہندو مسلم مسئلہ کے بیج بوئے گئے جسے ایک طویل عرصہ کے لیے پنجاب اور باقی ملک کی تاریخ پر اپنی تیرہ و تار پرچھائیں ڈالنی تھی۔ اختلافِ مذاہب راجوں مہاراجوں اور سلطانوں کے خود غرض ارمانوں کی طرح عوام کے لیے اتحاد کی بنیاد ثابت نہ ہوا۔

www.taemeernews.com

پندرھویں صدی میں گرونانک (۱۴۶۹ء سے ۱۵۳۹ء تک) مختلف فرقوں کے درمیان خیرسگالی اور مفاہمت کا نیا پیام لیے ہوئے نمودار ہوئے۔ انھوں نے وحدت کے مسلک کا پرچار کیا۔ یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا خدا ایک ہے وہ ہندو بھگتوں اور مسلم صوفیوں دونوں سے ہی متاثر ہوئے اور انھوں نے اعلان کیا کہ عبادت کا جذبہ محض ظاہری صورت سے بہت زیادہ اہم ہے۔ انھوں نے تنگ نظری کی سخت مذمت کی اور سیکولر تصورات اور آدرشوں کی علمبرداری کی۔ ان کا نقطۂ نظر عالمگیر تھا اس لیے بہت سے لوگ ان کے پیرو بن گئے اور ان کے بعد جو گرو آئے انھوں نے ان کے عقیدے کو مزید فروغ دیا۔ جو کسی خاص دائرے کے اندر محدود نہیں تھا۔ ایک مثال ملاحظہ فرمایئے گرو ارجن دیو (۱۵۶۳ سے ۱۶۰۶ء) پانچویں گرو نے امرتسر میں سکھ گرودوارے (دربار صاحب) کا سنگِ بنیاد ایک مسلم درویش میاں میر سے رکھوایا۔ اسی طرح گرنتھ صاحب میں انھوں نے خدا کے پیارے ہندو اور مسلم بندوں کی تحقیقات جمع اور شامل کیں۔ لہذا یہ نیا مذہب اسلام دشمن نہیں تھا۔ بلکہ اب جسے ہم انسان دوستی کہتے ہیں اس کا ابتدائی مظہر تھا۔ یعنی حقیقی مذہب کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہر انسان کو اس کے باطن اور اس کے ماحول میں امن اور سکون سے رہنے دے۔

لیکن رومیوں کے عہد میں ابتدائی عیسائیوں پر جو کچھ گزری تھی بالکل اسی طرح اس وقت کے شہری حکام نے گروؤں اور ان کے پیروؤں کے مقاصد کو شک کی نظر سے دیکھنا اور ان پر ستم توڑنا شروع کر دیا۔ اکبر کی حکومت کے روشن خیال درمیانی عرصہ کے سوا ہر مغل بادشاہ نے ان لوگوں کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کیا۔ جنھوں نے اپنے دل میں گرونانک کا عقیدہ رچا بسا لیا تھا۔ جہانگیر نے گرو ارجن دیو کو شہید کیا اور نویں گرو تیغ بہادر کو اورنگ زیب نے موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن شہیدوں کا لہو ہمیشہ عقیدے کی نشوونما کا بیج رہا ہے اور مغل جبر و استبداد کی ہر لہر سکھ گروؤں

www.taemeernews.com

اور ان کے چیلوں کے دلوں میں حکمرانوں کے ظلم وستم کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک نیا حوصلہ اور ایک نیا جوش وخروش بھرتی رہی۔ مزاحمت کی تحریک بتدریج ایک فوجی صورت اختیار کر گئی اور مغلوں کی نارواداری اور ان کے تعصّب کی مخالفت کرنے کے لیے خالصہ دل ظہور میں آیا۔ دسویں گرو گووند سنگھ نے مغل چیلنج کو قبول کر لیا۔ انھوں نے ایک واضح نصب العین اور نمایاں نشانات دے کر اپنے آدمیوں کو سپاہیوں میں تبدیل کر دیا۔ اگرچہ ان کو اس جہاد کے لیے بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ کیونکہ ان کے چاروں بیٹے مغل جبر واستبداد کا شکار ہو گئے۔ اور ان کو بھی دو مسلمانوں نے شہید کر دیا۔ پھر بھی جو انھوں نے مسلسل ضربیں لگائی تھیں وہ مغل سلطنت کا انجام قریب تر لے آئیں۔

گرو گووند سنگھ کے فوجی جانشیں بندہ بہادر نے مغل اقتدار کے خلاف مہمات کو انتھک طور پر جاری رکھا۔ اگرچہ اس نے دشمن کو کئی شکستیں دیں۔ لیکن بالآخر اسے پکڑ لیا گیا اور کئی سو سکھ سپاہیوں کے ہمراہ اسے دلّی لے جایا گیا۔ وہاں اسے اذیّت دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ شہنشاہ کے ایک فرمان میں یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ بندہ بہادر اپنے ہاتھوں سے اپنے بیٹے کو ہلاک کر دے۔ اسی قسم کا غیظ وغضب پنجاب میں مغل گورنر کی سکھ دشمن مہم کا کردار تھا۔

بہرکیف وافغانت پر اثر ڈالنے کے لیے اور پنجاب اور ہندوستان میں مغل اقتدار کے خاتمہ کا آغاز کرنے کے لیے دیگر عناصر ظہور میں آئے۔ ۱۷۳۹ء میں ایران کا نادر شاہ پنجاب سے گزر کر دہلی پہنچا اور اس نے جی بھر کر دہلی کو لوٹا۔ وہ لوٹ کا مال لادے ہوئے ہزاروں قیدیوں کے ہمراہ واپس جا رہا تھا۔ اس لیے ناگزیر طور پر اس کی نقل وحرکت کی رفتار سست تھی۔ سکھ گوریلوں کے چھوٹے چھوٹے دستوں نے اسے ناجائز طور پر حاصل کی ہوئی کچھ دولت سے محروم کر دیا۔ ان کامرانیوں نے سکھوں کے دلوں میں مزید اعتماد پیدا کیا

www.taemeernews.com

اور انھوں نے اس وقت داؤ پیچ کو پھر دوہرایا جب کہ ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ ابدالی اپنے نو حملوں میں سے پہلے حملے کے لیے افغانستان سے آیا۔ اس سے سامنا ہوتا تو سکھوں کے دستے پسپا ہو جاتے۔ مگر وہ اس کے واپسی کے سفر پر اسے پریشان کرتے تھے۔ اس کے ذرائع اور وسائل کو کم کرتے رہے اور اس طرح کے ان حملوں میں ان کو اگلی بار اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ ابدالی کے ان حملوں نے پنجاب میں مغل نظم و نسق کو کمزور کر دیا اور انھوں نے سکھوں کے ہاتھوں میں عنانِ اقتدار منتقل کئے جانے کی بنیاد رکھی۔

یہ ایک قدرتی بات تھی کہ اقتدار کا جو خلا پیدا ہوا تھا اسے گوریلوں کی مزاحمتی تحریک کے رہنما پُر کریں۔ ایسے کئی رہنما تھے — ان میں ہر کوئی کم و بیش دوسرے کے برابر تھا اور خود مختار تھا۔ جن دستوں یا اتحادوں میں ان کو منظم کیا گیا تھا وہ "مثلیں" کہلاتے تھے۔ یہ لفظ فارسی کا ہے جس کا مطلب ہے۔ "ہم رتبہ یا ہمسر"۔ جانی پہچانی ۱۲ مثلوں میں سے ہر ایک "مثل" قسمت کے دھنی سپاہی کی زیرِ قیادت ہوتی تھی جس نے اپنی برتری کسی نجی کارنامے سے قائم کی تھی۔ جیسے تیر درخت کے آر پار کر دینے سے۔ یا ایک ہی ضرب میں شیر کو ہلاک کر دینے سے۔ مغلوں کے زوال کے وقت پنجاب کے بیشتر حصّے ان جاگیرداروں کے زیرِ تسلّط تھے اور ہر جاگیردار کے پاس اپنی فوج تھی۔

اہمیت کے اعتبار سے اُن بارہ مثلوں کے نام یہ ہیں: پھلکیاں، آہلووالیہ، بھنگی، کنھیا، رام گڑھیا، سنگھ پوریا، کروڑہ سنگھیا، نشانیہ، سکرچکیہ دولے والا، نکّے اور شہید ان میں سے چھ مثلوں کا تسلّط "ماجھا" یا سندھ اور ستلج کے درمیان واقع علاقہ پر تھا اور باقی "مثلیں" مالوا یعنی سندھ اور جمنا کے درمیان واقع سرزمین پر قابض تھیں۔

پھلکیاں مثل جو پٹیالہ، جیند، نابھہ، بھدوڑ اور ملوٹ پر حکومت کرتی تھی ایک ہی بزرگ کی اولاد تھی۔ طاقتور بھنگی مثل (بھنگ کی عادی) لاہور، امرتسر اور مغربی پنجاب کے بڑے حصّہ پر قابض تھی۔ کنھیا مثل کا تسلط جو اتنی ہی طاقتور تھی ہمالیہ کے

www.taemeernews.com

دامن میں واقع علاقوں پر تھا اور وہ رنجیت سنگھ سے شادی کے ناطے کے ذریعہ زیادہ اہمیت اختیار کر گئی تھی آہلووالیوں نے راوی اور بیاس کے درمیان واقع سرزمین پر تسلط جما لیا تھا اور ان کا صدر مقام کپورتھلہ تھا۔ صرف ایک شہر گوجرانوالہ اور متعدد نواحی دیہات سکرچکیوں کے زیر نگیں تھے۔

یہ یقین کرنا غلط ہوگا کہ یہ مثلیں اپنی خلوت پسندی میں الگ تھلگ تھیں۔ درحقیقت مثلوں کے درمیان لڑائیوں یا مثلوں کے اندرونی لڑائیوں کے باعث ان کے مقبوضات کبھی ایک اور کبھی دوسرے کے ہاتھ میں چلے جاتے تھے۔

جب ان کا مغلوں یا ابدالیوں جیسا کوئی مشترکہ دشمن نہیں ہوتا تھا جس کے خلاف لڑ سکیں وہ قصبوں، زمین اور جائیداد کے لیے آپس میں لڑتی تھیں۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ کمزور پڑوسی طاقتور پڑوسیوں کا تحفظ چاہتے تھے اور "راکھی" ٹیکس دینے کو تیار ہو جاتے تھے بعض اوقات سردار اپنے پیرو سے صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ اسے ایک گھوڑا اور ایک بندوق دے دے۔ انھیں قائد کی نجی یا مثل کی لڑائیوں کی حمایت میں استعمال کیا جاتا تھا۔ ان کے عوض میں پیرو یہ مطالبہ کرتے تھے کہ ان کی حفاظت کی جائے اور سردار کے جھنڈے تلے ایشور اور گرو کے نام پر ان کو لوٹ کھسوٹ کی اجازت دی جائے" (گرفن) ان ہنگامہ پرور ایام میں زور زبردستی اور طاقت ہی حکمراں اور مالک ہوا کرتی تھی۔ آدمی کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ خود بھی طاقتور رہو اور اس کا اتحاد بھی طاقتور ہو تاکہ وہ اپنی زمین اپنے گھوڑے اور اپنی بیوی کو محفوظ رکھ سکے۔ مثل کی سطح پر بھی یہی قانون عمل پیرا تھا اور کبھی کبھی طاقتور سے کمزور کو اپنا محکوم بنا لیتا تھا اور اس سے خراج وصول کرتا تھا۔ حال ہی میں اس قسم کا نظام ان دستوں میں عمل پیرا تھا۔ مثلوں کے قائد سال میں ایک یا دوبار امرتسر میں جمع ہوتے تھے اور دفاع کے معاملہ پر بات چیت کرتے تھے اور جب دفاع کا

www.taemeernews.com

کوئی سوال نہیں ہوتا تھا تو مثلوں کے باہمی جھگڑے نپٹاتے تھے بعض اوقات ان رقابتوں کی وجہ سے سردار دست وگریباں ہو جاتے تھے اگر ان کو بے قابو چھوڑ دیا جاتا تو مساوات کے اس تصور نے بہت جلد خود مختار شہری ریاستیں پیدا کر دی ہوتیں اور یہ ریاستیں طاقتور بیرونی دشمن کے سامنے سرنگوں ہو گئی ہوتیں۔ حالات نے بہت جلد اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مثل کے ایک ایسے سردار کے ظہور پذیر ہونے کی ضرورت ہے جو اپنی قیادت کے سامنے دوسروں کو جھکانے کے قابل ہو اور جو ایک جھنڈے تلے پنجاب کو متحد کر سکے۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے مقدر نے رنجیت سنگھ کو منتخب کیا۔

www.taemeernews.com

دوسرا باب

آبا و اجداد اور ابتدائی ایّام

رنجیت سنگھ کسان گھرانے کے فرد تھے۔ ان کے آباؤ اجداد کاشتکار تھے اور مویشی پالتے تھے۔ ان میں سے جس شخص نے کچھ شہرت حاصل کی وہ گوجرانوالہ کے نزدیک واقع گاؤں سیکر چک کا بدھ سنگھ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ خود گرو گوونڈ سنگھ نے اسے سکھ بنایا تھا۔ وہ ایک نڈر مہم باز اور لٹیرا تھا۔ اسے اپنی گھوڑی بہت ہی عزیز تھی۔ جس کا نام دیسیاں تھا۔ اور جس کی پیٹھ پر وہ اکثر راوی، چناب اور جہلم کو پار کر لیا کرتا تھا جب ۱۷۱۸ء میں بدھ سنگھ کا انتقال ہوا تو اس کے دو بیٹوں کو ورثے میں چند دیہات ملے۔ ان میں سے نودھ سنگھ نے سیکر چک میں ایک قلعہ تعمیر کیا اور اس طرح وہ سیکر چک مثل کا بانی بن گیا۔ نودھ سنگ ۱۷۵۲ء میں ابدالی افغانوں سے لڑائی میں مارا گیا۔

بدھ سنگھ کا بڑا بیٹا چڑھت سنگھ بہت جلد اپنے آبائی گاؤں سے گوجرانوالہ میں منتقل ہوگیا۔ جسے اس نے استحکام دیا۔ وہ جلد ہی وزیر آباد، سیالکوٹ اور ایک دو نواحی قصبوں پر قابض ہوگیا۔ احمد شاہ ابدالی نے گوجرانوالہ کا استحکام توڑ دیا اور چڑھت سنگھ کی جاگیروں کو لوٹ لیا۔ لیکن سکھ سردار نے بہت جلد افغان حملہ آور سے بدلہ لے لیا۔ جب وہ واپس جا رہا تھا سکھ سردار نے اس کا تعاقب کیا اور ابدالی کی لوٹ میں سے اپنا حصہ حاصل کر لیا۔ گوجرانوالہ میں دوبارہ اپنا تسلط جمانے اور اسے

www.taemeernews.com

مستحکم بنانے کے بعد وہ جموں کی جانب متوجہ ہوا۔ جہاں پنجاب کے دولت مند خاندانوں نے افغان حملہ آوروں سے بچنے کے لیے جاکر پناہ لی تھی وہ بھی اپنے والد کی طرح لڑائی میں مارا گیا۔ اس دفعہ لڑائی بھنگی مثل سے ہوئی تھی۔ جسے جموں کو لوٹنے سے متعلق اس کے حق پر اعتراض تھا۔

مثل کی قیادت کی باگ ڈور اب چڑھت سنگھ کے جوان بیٹے مہاں سنگھ کے ہاتھ میں آئی جو اپنے والد کی طرح ہی دلیر اور جاہ طلب تھا۔ اس کی بیوہ ماں نے مثل کو اس طرح مضبوط بنایا کہ اس کی شادی راج کور سے کر دی جو جیند کے پھلکیاں سردار کی بیٹی تھی۔

مہاں سنگھ نے نئے قلعے تعمیر کیے اور اپنے مسلح فوجیوں کی تعداد بڑھا دی۔ یوں مستحکم ہو کر اس نے اس خطّے میں متعدد قصبوں پر قبضہ کر لیا اور اپنے والد کی طرح جموں کی طرف بڑھا اور اس نے ڈوگرہ حکمراں کو اپنے سامنے سے بھاگنے پر مجبور کر دیا ان فتوحات نے سکر چکیوں کے وقار کو چار چاند لگا دیے۔ ان مہمات میں سے ایک مہم کے بعد واپس آتے ہوئے اسے یہ خوشخبری سنائی گئی کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اس نے فوراً ہی اس ننھے بچے کا نام "بدھ سنگھ" (عقلمند) رکھ دیا لیکن بعد میں اپنی فتوحات کی یاد میں یہ نام رنجیت سنگھ (فاتح جنگ) کے نام میں تبدیل کر دیا۔

رنجیت سنگھ ۱۳ نومبر ۱۷۸۰ء کو راج کور کے ہاں جیند کے چھوٹے سے قصبہ بدرو خاں میں پیدا ہوئے۔ بعض مورخ یہ کہتے ہیں کہ وہ ۲ نومبر کو گوجرانوالہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ پنجاب میں چونکہ یہ رواج ہے کہ عورت کے ہاں جب پہلا بچہ پیدا ہونے والا ہوتا ہے تو وہ اپنے میکے جاتی ہے اس لیے پہلی تاریخ اور پہلا مقام غالباً زیادہ صحیح ہے رنجیت سنگھ کے بچپن کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ اس حقیقت کے سوا کہ ان پر چیچک کا شدید حملہ ہوا جس کے باعث ان کی ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی اور وہ بدشکل ہو گئے بوٹے شاہ کے بیان کے مطابق جب رنجیت سنگھ ابھی لڑکے ہی تھے۔ یعنی صرف چھ برس کے

www.taemeernews.com

تھے تو دیگر لڑکوں کے ہمراہ چناب میں تیرنے کے لیے جایا کرتے تھے اور جو چیزیں روپیہ پیسہ ساتھ لے جاتے تھے وہ اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیتے تھے۔

ایک تذکرہ میں کہا گیا ہے کہ رنجیت سنگھ تعلیم کے لیے گوجرانوالہ کی ایک دھرمسالہ میں جاتے رہے وہ چونکہ بالکل اَن پڑھ تھے اس لیے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ وہ اشارتاً بھی پڑھنے لکھنے اور حساب سے بہرہ مند نہ ہو سکے۔ ان کے والد مسلح چرمھائیوں میں مصروف رہتے تھے اور ان کی والدہ زنان خانہ میں رہتی تھیں۔ اس لیے ان کے والدین کے پاس اتنا وقت ہی نہیں تھا یا وہ اتنی پیش قدمی ہی نہیں کر سکتے تھے کہ اپنے لڑکے کی تعلیم کا انتظام کر سکیں۔ علاوہ ازیں ماحول ہی کچھ ایسا تھا کہ رنجیت سنگھ سکھ امراء کے کھیل کود اور شکار کے مشاغل میں دلچسپی لینے لگے ان ایام میں نوجوانوں کو کامیاب سپاہی بنانے کے لیے ہتھیار لے کر چلنا اور انھیں استعمال کرنا سکھایا جاتا تھا۔ رنجیت سنگھ بہت عرصہ پہلے بندوق چلانے کی تربیت حاصل کر چکے تھے اور چند سال بعد ان کے والد نے ان کو اپنی مہمات میں خود اپنے ہمراہ لے جا کر فن حرب سے روشناس کرایا۔

رنجیت سنگھ نے پہلی بڑی مہم کی قیادت ۱۷۹۰ء میں کی جبکہ ان کی عمر بمشکل دس سال کی تھی۔ مہان سنگھ نے سودھراں کا محاصرہ کر لیا۔ یہ وہ قصبہ تھا جس پر گجرات کے بھنگی سردار نے تسلط جما رکھا تھا۔ چند مہینوں کے بعد مہان سنگھ اچانک سخت بیمار پڑ گیا تو اس نے سرداری رنجیت سنگھ کو سونپ دی اور خود گوجرانوالہ واپس چلا آیا۔ بھنگیوں نے قیادت کی اس تبدیلی سے فائدہ اٹھانے کا جو منصوبہ تیار کیا وہ ناکام رہا کیونکہ رنجیت سنگھ نے لاہور سے بھیجی گئی کمکوں کا قلع قمع کر دیا۔ بدقسمتی سے جس وقت رنجیت سنگھ اس طویل مہم کے بعد صدر مقام میں واپس آئے ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا یہ ۱۷۹۲ء کی بات ہے۔ مہان سنگھ اس وقت صرف ۲۷ برس کا تھا۔

اگلے برس رنجیت سنگھ پر قاتلانہ حملہ ہوا مگر وہ بچ گئے۔ شکار کی ایک مہم کے دوران

www.taemeernews.com

ایک دفعہ وہ اپنے شکار کے تعاقب میں تنہا تھے۔ اچانک ایک مسلم سردار حشمت خاں نے جسے جہاں سنگھ نے اکثر شکست دی تھی۔ گھات لگا کر رنجیت سنگھ پر حملہ کیا۔ رنجیت سنگھ کا گھوڑا بدک کر کچھ پیچھے ہٹ گیا جس سے تلوار کا وار خالی گیا۔ قبل اس کے کہ قاتل دوسری بار وار کرتا نوجوان شکاری نے اپنی تلوار سے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اگر تقدیر اس نازک موقع پر مداخلت نہ کرتی تو پنجاب کی تاریخ بہت مختلف ہوتی۔

رنجیت سنگھ نوعمر تھے (بمشکل ۱۳ برس کے تھے) اور وہ اس زمانہ کے تقاضے کے مطابق اپنی جاگیر کے روزمرہ کے انتظام کی نسبت شکار میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے اور جاگیر کا انتظام انھوں نے اپنی ماں اور اپنے والد کے نائب الامور لکھپت رائے کے حوالے کر رکھا تھا۔ چند سال پہلے جب ان کے والد نے کنھیا مثل کے سردار کا غرور توڑ دیا تھا تو مؤخرالذکر نے یہ بات مان لی تھی کہ وہ اپنی پوتی مہتاب کور (اپنے بیٹے گوربخش سنگھ کی بیٹی) کی سگائی رنجیت سنگھ سے کر دے گا۔ مہتاب کور کی ماں سدا کور کو کنھیا مثل کا زرو مال سسر کی موت پر ورثے میں ملا تھا اور اس کا شوہر پہلے ہی جنگ میں شہید ہو چکا تھا جب رنجیت سنگھ کی ماں نے دیکھا کہ اس کا نوعمر بیٹا جاگیر میں بہت کم دلچسپی لیتا ہے تو اس نے یہ قیاس کیا کہ شاید شادی اسے زندگی کی جانب زیادہ ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دے اس خیال کو مدّنظر رکھتے ہوئے شادی بٹالہ میں ہوئی جو کنھیا مثل کا صدر مقام تھا۔ اور رنجیت سنگھ کی عمر اس وقت ۱۵ برس سے کچھ ہی زیادہ تھی یہ ایک شاندار تقریب تھی۔ جس میں بیشتر سکھ سردار موجود تھے۔

لیکن یہ شادی زیادہ کامیاب ثابت نہ ہوئی شاید دلہن اس بات کو نہ بھول سکی کہ اس کے سسر نے اس کے باپ (گوربخش سنگھ) کو ہلاک کر دیا تھا۔ رنجیت سنگھ کی ساؤ شکل و شباہت کا بھی شاید اس کے دل پر اثر پڑا ہو۔ بہرکیف رنجیت سنگھ کنھیا مثل کے سردار کی حیثیت سے اپنی ساس کے اثر و رسوخ اور اقتدار کو استعمال کرنا چاہتا تھا

www.taemeernews.com

درحقیقت دونوں ہی اپنے نجی یعنی خود غرض مقاصد کے لیے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ سداکور یہ چاہتی تھی کہ رنجیت سنگھ اس کی مثل کے مفادات کو آگے بڑھائے، ۱۷۹۷ء میں جب رام گڑھیوں کی جانب سے سداکور کے مقبوضات کو خطرہ پیدا ہوگیا تو رنجیت سنگھ نے رام گڑھیوں کے ایک قلعہ کا محاصرہ کرکے سداکور کی فوجوں پر دباؤ کو دور کردیا۔

اس تجربہ نے رنجیت سنگھ کے علم میں اضافہ کیا۔ اسے پتہ چلا کہ کنہیا مثل کے افراد اتنے طاقتور نہیں تھے جتنی کہ ان کی شہرت تھی اور اگر کوئی طاقتور مثل اس کے ساتھ ہو تو وہ اور بھی زیادہ طاقتور بن جائے گا۔ لہذا انھوں نے نکے سردار کی بہن سے شادی (۱۷۹۸ء میں) کرکے ایک نیا گٹھ جوڑ قائم کیا۔ اس رشتہ کا انتظام فائدہ کے لیے کیا گیا تھا مگر کامیاب ثابت نہ ہوا۔ اگرچہ نکے شہزادی راج کور (رنجیت سنگھ کی ماں کا بھی یہی نام تھا۔) رنجیت سنگھ کی دوسری بیوی تھی۔ لیکن وہ ان کے لیے بے پناہ مسرت کا پیغام لائی۔ درحقیقت وہی اصل بیوی تھی۔ مہتاب کور کا رتبہ مانحت کا سا تھا دراصل اسے چونکہ اس کے رتبہ سے ہٹا دیا گیا تھا اس لیے مہتاب کور واپس بٹالہ چلی آئی اور حالات نے یہ جو پلٹا کھایا تھا اس پر اس کی ماں کو طیش آگیا۔ لیکن اس کے باوجود اس نے رنجیت سنگھ کے ذریعہ سے سکھ مثلوں پر تسلط جمائے رکھنے اور مہتاب کور کے بطن سے رنجیت سنگھ کو بیٹا یا بیٹی دینے کے منصوبہ کو ترک نہ کیا۔

زیادہ سے زیادہ اقتدار حاصل کرنے کی خواہش چونکہ بیدار ہوچکی تھی اس لیے رنجیت سنگھ نے اپنا حکم منوانا اور اپنی جاگیر کے انتظام میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینا شروع کردیا — فی الحقیقت ان کی توجہ جاگیر پر اس لیے بھی مرکوز ہوئی کہ دیوان لکھپت رائے اور ان کے چچا کے درمیان جس کا نام دل سنگھ تھا پھوٹ پڑ گئی ان کا چچا یہ رتبہ اپنے لیے چاہتا تھا بہرحال جب رنجیت سنگھ ۱۷ برس کے ہوئے تو انھوں نے خود مختار بننے اور صحیح معنوں میں مثل کا سربراہ بننے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت تک وہ زیادہ تر سلسلۂ نسب اور وراثت کی وجہ سے سکرچکیہ سردار تھے۔

www.taemeernews.com

تیسرا باب

ابتدائی فتوحات

آتنا عرصہ گزر جانے پر ایک اوسط قاری رنجیت سنگھ کی ان مختلف فتوحات کی تفصیلات میں ذاتی طور پر زیادہ دلچسپی نہیں لے سکتا۔ جنھوں نے ان کو بالآخر پنجاب کا مہاراجہ بنا دیا۔ بہرکیف انسان کو اس کے اعمال سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ان کے افسانۂ حیات کو مناسب آئینہ میں پیش کرنے کے لیے ان کا مختصر سا ذکر ضروری ہے۔

۱۷۹۵ء میں شاہ زماں نے جو وقتاً فوقتاً حملہ کرنے والے احمد شاہ ابدالی کا پوتا تھا جہلم سے آگے بڑھنے اور درانی کے معرکوں کو دوہرانے کی کوشش کی، ۱۷۹۷ء اور ۱۷۹۸ء میں وہ مزید آگے بڑھا اور اس نے سکھوں کی جانب سے کوئی شدید مزاحمت کے بغیر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ درحقیقت چند سرداروں نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ وہ افغان حملآور سے سمجھوتہ کر لیں اور ان کو کچھ علاقے تحفے کے طور پر ملے۔ واپس جاتے ہوئے شاہ زماں کی ۱۲ توپیں جہلم میں ڈوب گئیں۔ جس میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ رنجیت سنگھ چونکہ پنجاب کے اس حصے کے مالک تھے اس لیے افغان حملآور نے ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ توپیں نکال کر اس کے حوالے کر دیں گے تو ان کو لاہور دے دیا جائے گا اور "راجہ" کا خطاب دیا جائے گا۔ اس وعدے کے مطابق رنجیت سنگھ نے آٹھ توپیں دریا میں سے نکلوائیں اور پشاور بھیج دیں اور ان سے کیا گیا وعدہ پورا کیا گیا لیکن رنجیت سنگھ کو شہر پر قبضہ حاصل

www.taemeernews.com

کرنے کے لیے خود کوشش کرنی پڑیں۔

لاہور

اس وقت کے لاہور کے سکھ حکمراں بدکار اور عیاش تھے اور لوگ ان کے ظالمانہ طور واطوار سے بے زار ہو چکے تھے۔ جب عطیے کی کہانی سے لوگ واقف ہو گئے تو رنجیت سنگھ کو مطلع کیا گیا کہ لوگ نجات دہندہ کی حیثیت سے ان کا خیر مقدم کریں گے۔ لہٰذا جب وہ ۶ جولائی ۱۷۹۹ء کو شہر کی جانب بڑھے تو شہر کے دروازے کھول دیے گئے اور بھنگی سردار بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے ہنگامی احکام کے تحت یہ تنبیہ کی گئی کہ فاتح بڑے لحاظ کے ساتھ شہر اور شہریوں سے سلوک کریں گے اور اگر فوجی لوٹ کھسوٹ کریں گے یا کسی چیز کا غلط استعمال کریں گے تو ان کو سخت سزا دی جائے گی۔ بعض مصنفین درانی "عطیے" کی کہانی پر یقین نہیں کرتے اور ان کا خیال ہے کہ سدا کور کی مدد سے رنجیت سنگھ لاہور پر قبضہ کر سکے تو ایسا سیکر چکیہ سردار پر شہریوں کے اعتماد کی بدولت ممکن ہوا۔ بہر حال نئے حکمراں نے لوگوں کو وہ کچھ دیا جس کی ان کو بہت ضرورت تھی۔ یعنی سلامتی اور تحفظ کا احساس۔ رنجیت سنگھ نے نکال باہر کیے گئے بھنگی سرداروں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور ان کو کافی بڑی جاگیریں عطا کیں۔

لاہور پر رنجیت سنگھ کے قبضے نے مسلمانوں اور سکھوں کی رقابتوں کو ابھارا۔ اور چند پڑوسی حکمراں ان کے اقتدار کو چیلنج کرنے کے لیے آپس میں مل بیٹھے۔ ۱۸۰۰ء میں انھوں نے قصور کے نزدیک بھسین میں ایک بڑی فوج جمع کر لی تاکہ ایک کانفرنس میں ان کو چیلنج کیا جائے اور اگر ہو سکے تو ہلاک کر دیا جائے لیکن یہ سازش ناکام رہی باہمی رقابتوں نے اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا اور بالآخر ختم ہو گئی جب کہ اس کا

www.taemeernews.com

ایک قائد گلاب سنگھ بھنگی کثرتِ مے نوشی کی وجہ سے مرگیا۔

جمّوں

رنجیت سنگھ کے بزرگوں نے جو مثال قائم کی تھی اس کی پیروی کرتے ہوئے انھوں نے اپنی توجہ زر دار اور متموّل جموں کی طرف مبذول کی۔ اس شہر کو جاتے ہوئے انھوں نے درمیان میں واقع دو قصبوں کو فتح کیا۔ جموں کے راجہ نے باجگزار جاگیردار بننا تسلیم کرلیا اور نقد نذرانہ پیش کیا۔ سیالکوٹ کے راستے واپس آتے ہوئے وہ جتھے بندی میں شامل چند بھسین سرداروں سے لڑے اور ان کو شکست دی جو گوجرانوالہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ باندھ رہے تھے۔

کانگڑا کا راجہ سنسار چند جو پہاڑوں میں واقع سداکور کے چند مقبوضات ہتھیا چکا تھا رنجیت سنگھ کا اگلا نشانہ بنا۔ لڑائی میں شکست کھا کر راجہ سنسار چند نے نورپور نذرانے کے طور پر رنجیت سنگھ کے حوالے کردیا۔

۱۸۰۲ء میں رنجیت سنگھ نے چنیوٹ کو فتح کیا اس وقت جب قصور کے مسلمان حاکم نے اونٹوں کا ایک قافلہ لوٹ لیا تو رنجیت سنگھ اور اس کے کنھیا اور آہلووالیہ استحادیوں نے اپنی توپوں کا رخ اس کی جانب پھیر دیا اور اسے سرنگوں ہونے پر مجبور کیا ۱۸۰۳ء میں نوجوان بیکر چکیہ سردار نے ملتان پر پہلا حملہ کیا اور اس کے مسلمان آقا مظفر خان کو مطیع بنالیا۔ جھنگ کا احمد خاں بھی باجگزار جاگیردار بن گیا۔ اس مہم کے دوران رنجیت سنگھ راولپنڈی تک جا پہنچا اور راستے میں اس نے مسلم حکمرانوں کو خراج ادا کرنے پر مجبور کیا۔

اس سے ایک سال پہلے ۱۸۰۱ء میں رنجیت سنگھ کے ہاں پہلا بیٹا (بعد میں اس کا نام کھڑک سنگھ رکھا گیا) پیدا ہوا۔ اس کی ماں مکے شہزادی راج کور تھی۔ یہ ایک عظیم واقعہ

www.taemeernews.com

تھا۔ چالیس دن تک نزدیک و دور جشن منایا گیا۔ سکھ امراء نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ رنجیت سنگھ کو "مہاراجہ" کا خطاب عطا کریں گے اور اس نیک شگون والے سال میں بیساکھی کے دن ایک بڑا "دربار" لگا جس میں ان کو اس خطاب سے سرفراز کیا گیا کہ اب سے وہ "سرکار" کہہ کر مخاطب کیے جائیں گے۔ لیکن انھوں نے جو سکے بنائے وہ گرونانک اور گرو گوبند سنگھ کے نام کے تھے۔ آج تک انھیں "نانک شاہی" سکے کہا جاتا ہے۔

امرتسر

مورخ بھنگیوں کے عظیم گڑھ امرتسر پر قبضہ کی تاریخ کے بارے میں اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ نامور مصنف موہن لال سوری امرتسر پر قبضہ کی تاریخ فروری ۱۸۰۵ء بتاتے ہیں۔ لیپل گرفن کی رائے کے مطابق رنجیت سنگھ نے بھنگی سردار کی بیوہ مائی سکھیاں سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ مشہور بھنگی توپ "زمزمہ" ان کے حوالے کر دے جس کے بارے میں ان کے دادا چڑھت سنگھ سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ ۱۷۶۴ء میں درانیوں کے ساتھ لڑائی میں لوٹ کے حصّہ کے طور پر دی جائے گی۔ بھنگیوں نے توپ دینے سے انکار کیا تو (یہ توپ اب لاہور میں عجائب گھر کے سامنے پڑی ہے) رنجیت سنگھ نے امرتسر پر حملہ کر دیا اور اسے دو گھنٹے میں حاصل کر لیا۔ اس معرکے کے انجام کے طور پر اب امرتسر اور لاہور دونوں ہی رنجیت سنگھ کی تحویل میں تھے۔ ایک سکھوں کی مذہبی دوسرا سیاسی راجدھانی تھا۔ سدا کور اور فتح سنگھ آہلو والیہ رنجیت سنگھ کے حلیف تھے اور رنجیت سنگھ متعدد حکمرانوں سے خراج وصول کرتے تھے۔ جن میں جموں اور قصور کے حکمراں بھی شامل تھے۔ اس وقت ہی اکالی پھولا سنگھ جو بعد میں ان کا ایک انتہائی وفادار جرنیل بن گیا ان کا ملازم ہو گیا۔"

www.taemeernews.com

مرہٹے اور انگریز

۱۸۰۵ء میں جب مہاراجہ جھنگ پر قبضہ کرنے کے بعد ملتان کی طرف بڑھ رہے تھے تو اسے پتہ چلا کہ جسونت راؤ ہلکر اور پنڈارہ سردار امیر خاں پنجاب میں داخل ہو چکے ہیں اور انگریز کمانڈر لارڈ لیک ان کا تعاقب کر رہا ہے اور بیاس کے مشرقی کنارے پر خیمہ زن ہے۔ رنجیت سنگھ فوراً امرتسر واپس آئے اور انھوں نے سکھ رہنماؤں کے اجتماع کا انتظام کیا۔ تاکہ ہلکر اور انگریزوں کے بارے میں پالیسی کا فیصلہ کیا جائے رنجیت سنگھ نے یہ قیاس لگایا کہ اگر شکار اور شکاری مزید آگے بڑھیں گے تو پنجاب جنگ کے باعث تباہ و برباد ہو جائے گا۔ انھوں نے اس بات کو بھی سمجھ لیا کہ وہ ان دونوں کی جنگ میں خود کو الجھانے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ لہذا گرمتہ نے اس بات کے حق میں یہ فیصلہ کیا کہ مرہٹوں اور انگریزوں کے درمیان مصالحت کرادی جائے رنجیت سنگھ کی مداخلت کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہلکر کو دہلی سے پرے اس کے مقبوضات واپس دے دیے گئے اس کے ساتھ ساتھ بات چیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ لارڈ لیک اور سکھ رہنماؤں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی شرائط کے مطابق یہ طے پایا کہ ہلکر اپنی فوج امرتسر سے ۳۰ کوس دور لے جائے گا اور پنجاب کے سردار اس سے کوئی سروکار نہیں رکھیں گے اپنی طرف سے لارڈ لیک نے یہ ضمانت دی کہ جب تک اس معاہدے کی پیروی کی جائے گی تب تک انگریزوں کی فوج سکھ سرداروں کے علاقہ میں داخل نہیں ہوگی یا ان کے مقبوضات پر قبضہ نہیں کرے گی۔"

اس وقت تک پنجاب میں سرکردہ سکھ سردار کی حیثیت سے رنجیت سنگھ کا رتبہ مسلم ہو چکا تھا۔ اس رتبہ کی بدولت ان سے تقاضہ کیا گیا کہ وہ نابھ اور پٹیالہ کے درمیان چھوٹے سے علاقائی جھگڑے کا تصفیہ کریں۔ انھوں نے پٹیالہ کے حق میں فیصلہ

www.taemeernews.com

دیا اور نابھ کو یہ صلا ملا کہ اُسے متعدد دیہات دے دئے گئے۔ واپس آتے ہوتے جالندھر میں راجہ سنسار چند کا بھائی فتح چند اُن سے ملا اور اس نے نیپالی جرنیل تھاپا کے خلاف مدد مانگی جس نے کانگڑہ میں قلعہ کا محاصرہ کر لیا تھا مہاراجہ فوراً ہی خود جوالا مکھی پہنچے اور تھاپا کو محاصرہ اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ یہاں ان کو یہ خبر ملی کہ ان کی بیوی مہتاب کور کے ہاں جڑواں بیٹے (شیر اور تارا) پیدا ہوئے ہیں۔ وہ سکھ گوردوارہ (جسے اب دربار صاحب کہا جاتا ہے) میں شکرانہ ادا کرنے کے لیے امرتسر پہنچے۔

قصور اور مُلتان

قصور کا نیا پٹھان حکمران اپنے بڑے بھائی کی موت پر سرکش ہو گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رنجیت سنگھ اسے گستاخی کی سزا دینے پر مجبور ہو گئے اور انھوں نے شہر کو ایک سکھ جاگیر دار کے کنٹرول کے تحت کر دیا۔ بہرکیف معزول حکمران اور اس کے رشتہ داروں کے ساتھ بڑی فیاضی سے سلوک کیا گیا اور ان کو جاگیریں دی گئیں۔ ملتان کے نواب مظفر خاں کو بھی اسی قسم کی سزا دی جاتی جس نے قصور کے سرداروں کو جنگجوئی کی ترغیب دی تھی اگر بہاولپور کے نواب نے اپنے اثر و رسوخ سے کام نہ لیا ہوتا۔ نواب بہاولپور نے اپنے مہاراجہ کو وافر تاوان دینے پر مجبور کیا۔

ان کو بتدریج مزید علاقے ملتے رہے۔ پٹیالے کے دورے کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے نارائن گڑھ پر قبضہ کر لیا کیونکہ راجہ نے ان کی ماتحتی نہیں قبول کی تھی راہوں، کا سردار مر گیا تو اس پر قبضہ کر لیا گیا اور اس کے خاندان کے گزر بسر کا مناسب انتظام کر دیا گیا توسیع کا عمل جاری رہا۔ ۱۸۰۸ء میں رنجیت سنگھ کی عملداری پٹھانکوٹ، چمبہ اور بشولی اور جلد ہی سیالکوٹ اور اکھنور تک پھیل گئی۔ بہت سے سردار اپنی مرضی سے مہاراجہ کے مطیع ہو گئے اور اگر کسی حاکم

www.taemeernews.com

نے مثال کے طور پر شیخوپورہ کے حکمراں نے مزاحمت کی تو وہ زیادہ عرصہ تک ٹھہر نہ سکا۔

انگریزوں کی جانب سے صلح کی درخواستیں

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے اقتدار میں باقاعدہ اضافہ اور جمنا سے پورب تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے فروغ کے باعث ستلج کے اس پار کے سکھ حکمرانوں نے سمانا میں بات چیت کی تاکہ یہ فیصلہ کیا جائے کہ کس کا تحفظ طلب کرنا چاہیے۔ انھوں نے "جان کمپنی" کے حق میں فیصلہ دیا اور مشترکہ طور پر ایک درخواست ۱۸۰۸ء میں دلّی میں برطانوی ریزیڈنٹ کو ارسال کی اور اس نے یہ درخواست کلکتہ میں گورنر جنرل کو بھیج دی رنجیت سنگھ نے اپنی تیز فہمی اور ہوشیاری کے باعث اس بات کو سمجھ لیا کہ انھیں ان حکمرانوں سے بنا کر رکھنی چاہیے۔ امرتسر کی کانفرنس میں انھوں نے ان کے اندیشے دور کر دیے اور اس حد تک چلے گئے کہ انھوں نے پٹیالہ کے مہاراجہ سے پگڑی بدل لی۔ (اٹوٹ دوستی کی نشانی)

ہندوستان میں انگریزوں کو جب نپولین بوناپارٹ کے ان منصوبوں کا پتہ چلا کہ وہ ترکی اور ایران کی مدد سے ہندوستان پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو انھوں نے اپنی علیحدگی پسندی اور عدم مداخلت کی پالیسی تبدیل کر دی۔ فرانسیسی اقتدار کے خلاف حفاظتی گٹھ جوڑ کی تلاش میں لاہور، کابل اور تہران میں خیر سگالی کے وفد بھیجنے کا انتظام کیا گیا۔ رنجیت سنگھ کے لیے بھیجا گیا ایلچی چارلس مٹکاف ستمبر ۱۸۰۸ء میں کھیم کرن میں مہاراجہ سے ملا اور اس نے فرانسیسیوں کے خلاف تعاون اور یہ منظوری طلب کی کہ اگر نپولین کے منصوبوں کو خاک میں ملانے کے لیے انگریزوں کو افغانستان پر حملہ کرنے کی ضرورت پڑی تو مہاراجہ اپنے علاقہ میں سے فوجوں کو گزرنے دے گا۔ مہاراجہ نے جوابی شرائط پیش کیں وہ یہ تھیں کہ انگریزوں کو چاہیے کہ وہ تمام سکھ ریاستوں پر مہاراجہ کی فوقیت کو تسلیم کریں اور اگر مہاراجہ اور کابل کے حکمران کے درمیان اختلافات پیدا

www.taemeernews.com

ہوں تو انگریز غیر جانب دار رہیں مٹکاف نے جو کسی قسم کا وعدہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تھا یہ شرائط گورنر جنرل کو بھیج دیں۔

رنجیت سنگھ نے ستلج کے اس پار کی ریاستوں میں نئی مہمات شروع کیں تاکہ وہ ان میں سے چند ریاستوں کو اپنی عملداری میں جذب کرلیں۔ اس دفعہ وہ فرید کوٹ مالیر کوٹلہ انبالہ اور شاہ آباد کو فتح کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ اس وقت ہندوستان پر فرانس کے حملے کا خطرہ ٹل چکا تھا اس لیے انگریزوں نے رنجیت سنگھ کے نئے معرکہ پر ذرا سختی سے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ انھوں نے اپنے فوجی لدھیانہ بھیجے تاکہ وہ مہاراجہ کے بلند منصوبوں پر بندش عائد کر سکیں جس نے سکھ ریاستوں کو جنوب میں خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ انگریزوں کا تحفظ طلب کریں۔ گورنر جنرل نے ایک فرمان جاری کیا جس میں رنجیت سنگھ سے کہا گیا کہ وہ اپنی حکومت ان علاقوں تک محدود رکھیں جن پر پہلے ہی ان کا قبضہ تھا اور جو علاقہ حال ہی حاصل کیے گئے تھے۔ انھیں ان کے اصل مالکوں کو لوٹا دیا جائے۔ مہاراجہ اطاعت کو ناپسند کرتے تھے اس لیے انھوں نے ۲۵ اپریل ۱۸۰۹ء کو انگریزوں سے ایک معاہدہ کیا ان سے صرف اتنی سی قربانی دینے کے لیے کہا گیا کہ وہ پہلکیاں ریاستوں سے پیچھے ہٹ جائیں اس معاہدے کی رو سے ان کو اس بات کے لیے آزاد چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنے مفتوحہ علاقے اپنے پاس رکھ سکتے ہیں اور کہیں دوسری جگہ ان کو توسیع دے سکتے ہیں۔ پشاور تک سندھ اور جمنا کے پار کشمیر، کانگڑہ اور شوالک پہاڑیوں تک یا دیگر بہت سے علاقوں تک۔

www.taemeernews.com

چوتھا باب

بعد کی فتوحات

رنجیت سنگھ کی عملداری اب برق رفتاری سے بڑھ رہی تھی ۱۸۰۹ء میں کانگڑہ کے راجہ سنسار چند نے نیپالی جرنیل تھاپا کے نئے حملہ کے خلاف مدد کی درخواست کی اور مہاراجہ میدانِ عمل میں اتر پڑے۔ کانگڑہ رنجیت سنگھ کے حوالے کر دینے سے متعلق راجہ چونکہ اپنے پہلے وعدہ پر قائم رہنے میں مذبذب معلوم ہوتا تھا اس لیے تھاپا کے خلاف کارگذاریوں کے لیے رنجیت سنگھ نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور تھاپا کو بالآخر پسپا کر دیا گیا۔ فاتح کو اس مہم کا یہ صلہ ملا کہ چمبہ، نور پور اور کوٹلہ کے حکمرانوں کی طرح بہت سے پہاڑی حکمرانوں نے وفاداری کا اقرار کیا۔

آج کا جو ہریانہ ہے اس پر کروڑ سنگھیا مثل کی حکمرانی تھی۔ اس علاقہ پر قبضہ کرنے کے بعد مہاراجہ نے سردار کی بیوہ کے گزر بسر کے لیے سامان فراہم کر دیا۔ فروری ۱۸۱۰ء میں ساہی وال اور گجرات کے بلوچ سرداروں نے رنجیت سنگھ کے حق میں اپنا قلعہ خالی کر دیا۔ اس کے بعد ملتان کو تسخیر کیا گیا اور نواب مظفر خاں نے نئے سرے سے خراج ادا کیا جموں و نیرآباد اور ڈسکہ جلد ہی مہاراجہ کی عملداری میں شامل ہو گئے۔ نکّے علاقہ کے خلاف مہم شروع کی گئی اور وہ علاقہ بھی

www.taemeernews.com

رنجیت سنگھ کی حکومت کے تحت آگیا۔

کشمیر

کشمیر کو محکوم بنانے کے لیے رنجیت سنگھ کی فوجیں ۱۸۱۱ - ۱۸۱۲ میں وزیر فتح خاں کی فوجوں سے مل گئیں۔ شیر گڑھ میں عطا محمد کو شکست ہوئی' ان کے بھائی جہاں دار خاں نے جو اٹک کا انچارج تھا، وزیر آباد میں ایک جاگیر کے عوض میں اٹک دے دیا۔ اس واقعہ پر جھنجھلا کر فتح خاں نے ۱۸۱۳ میں پنجاب پر حملہ کیا۔ لیکن اسے حضرو کے مقام شکست ہوئی۔ افغانوں کی دشمنی کی وجہ سے رنجیت سنگھ نے کشمیر کو فتح کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ اگرچہ بہت سے مقامات پر افغانوں کو شکست ہوئی لیکن موسلا دھار بارش نے پیش قدمی سے روک دیا اور مہاراجہ ۱۸۱۴ میں لاہور واپس آگئے۔ بہت جلد انھوں نے راجوری کے نواب کو اس کی غداری کی سزا دی اور اس کے علاقہ پر قبضہ کرلیا (۱۸۱۵)

۱۸۱۶ میں بہاولپور کا نواب بھی مہاراجہ کا باج گزار بن گیا۔ مظفر خاں نے چونکہ خراج کی بقایا رقم ادا نہیں کی تھی اس لیے رنجیت سنگھ نے ملتان پر قبضہ کرلیا۔ اور اس پر اس وقت ترس کھایا گیا جب کچھ رقم ادا کردی گئی۔ اس کے بعد منکیرہ، جھنگ اور آنج کو فتح کیا گیا۔ رام گڑھیا سرداروں کے جانشینوں میں چونکہ مسلسل جھگڑا رہتا تھا اس لیے مہاراجہ نے ان کے علاقہ پر قبضہ کرلیا اور انھیں وافر جاگیر دے دی۔

www.taemeernews.com

جنگِ مُلتان

مظفر خاں کو خراج کی بقایا رقم ادا کرنے کے لیے جو مہلت دی گئی تھی اس کی میعاد گزر جانے کے بعد ایک طاقتور فوج ۱۸۱۷ میں ملتان بھیجی گئی کہ اسے بقایا رقم ادا کرنے پر مجبور کیا جائے۔ لڑائی کے بعد نواب کی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیے اور نواب نے یہ پیش کش کی کہ وہ ملتان اور مظفر گڑھ کے قلعے حوالے کر دے گا اگر اسے گزر بسر کے لیے تھوڑا سا علاقہ دے دیا جائے۔ بہرکیف اس نے اپنے قول کو پورا نہ کیا پھر شدید جنگ شروع ہو گئی۔ سکھ فوج نے قلعہ کی دیواروں پر گولہ باری کی ایک نازک لمحہ میں جب دیوار میں شگاف ناگزیر ہو چکا تھا سکھوں کی توپ کا ایک پہیہ ٹوٹ گیا۔ اس توپ کی جگہ دوسری توپ لانے یا اس کی مرمت کا چونکہ وقت نہیں تھا اس لیے لیڈر نے خودکشی کا دستہ طلب کیا۔ یعنی ایسے والنٹیر طلب کئے جو اس پہیہ کی جگہ جسے نقصان پہنچا تھا اپنے کندھے استعمال کر کے توپ کو سہارا دیں۔ اور اس لیڈر نے خود سب سے پہلے قربانی دینے کی مثال قائم کی۔ قلعہ کی دیوار میں اس وقت شگاف ہوا جب کئی جانیں تلف ہو چکی تھیں۔ اِس سے بہت پہلے بوڑھا نواب اور اس کے بیٹے اس جگہ کی حفاظت کے لیے پہنچ گئے تھے۔ لیکن سکھوں نے انھیں اپنی تلواروں کی زد پر رکھ لیا۔ ۱۵ جون ۱۸۱۸ کو قلعے پر قبضہ کر لیا گیا۔ نہنگوں کی ایک جماعت نے قلعہ کے ایک حصے کے نیچے بارود بچھانے اور اسے اڑانے میں نمایاں حصہ لیا۔

پشاور

وزیر فتح خاں کے قتل کے نتیجہ کے طور پر کابل میں جو غیر یقینی صورتِ حال پیدا

www.taemeernews.com

ہوئی وہ رنجیت سنگھ کی توجہ کا مرکز بن گئی اور وہ اسی سال فوج لے کر اٹک پہنچے۔ اٹک پر قبضہ کرنے کے بعد مہاراجہ کے سپاہیوں نے پشاور میں داخل ہونے کے لیے سندھ کو پار کیا افغان حکمراں دوست محمد نے چونکہ اطاعت قبول کرلی اور خراج دینا منظور کرلیا اس لیے رنجیت سنگھ نے اس کی اطاعت اور خراج کو قبول کرتے ہوئے اسے اپنا نمائندہ بنالیا۔ ہندوستان میں غیر ملکیوں کے داخل ہونے کے اس فوجی اہمیت کے مقام پر مہاراجہ کے قبضہ کے باعث بہت زیادہ فرق پڑا۔ اس راستے سے حملہ کے امکان کو کم کرنے کے علاوہ انھوں نے افغانوں کا پانسہ ہی پلٹ دیا۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے شیر کو اس کے بھٹ ہی میں للکارا جائے اور وہ جو اب تک فاتح تھے اُن کو بھگوڑے بنا دیا جائے۔

ایک بار پھر کشمیر

کوششوں کے باوجود ابھی تک کشمیر مطیع نہیں ہوا تھا۔ رنجیت سنگھ اس پر قبضہ کرنا چاہتے تھے تاکہ شمال میں اپنی عملداری کی سرحد کو مضبوط بنالیں۔ اس ارادے کے مطابق ۱۸۱۹ میں تین الگ الگ فوجیں روانہ ہوئیں۔ ایک فوج خود مہاراجہ کی زیر قیادت تھی۔ راجوری اور پونچھ میں افغان فوجوں کو شکست ہوئی۔ پیر پنجال کے دامن میں جنگ میں فتح پانے کے بعد رنجیت سنگھ وادیِ کشمیر میں داخل ہوئے اور انھوں نے ۴ جولائی ۱۸۱۹ء کو سری نگر پر قبضہ کرلیا اس طرح جموں اور کشمیر اپنی بوقلموں تاریخ میں ایک وقت سکھوں کی عملداری کا حصہ بھی رہے ہیں۔

www.taemeernews.com

نوشہرہ کی لڑائی

۱۸۲۳ میں وزیرِ کابل عظیم خاں نے پشاور پر حملہ کیا جس پر اُس وقت اس کا بھائی یار محمد رنجیت سنگھ کی جانب سے قابض تھا۔ پشاور پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے سکھوں کے خلاف "جہاد" کا اعلان کر دیا۔ جب اس واقعہ کی خبر مہاراجہ تک پہنچی تو انھوں نے صورتِ حال سے نبٹنے کے لیے ایک بڑی فوج روانہ کر دی۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ ایک موقع پر وہ خود تیزی سے میدانِ کارزار میں پہنچے اور انھوں نے سندھ کے پار نوشیرہ تک اپنے سپاہیوں کی قیادت کی جہاں پٹھانوں کی بڑی فوج جمع تھی۔ دونوں فوجیں ۱۴ مارچ ۱۸۲۴ کو آپس میں ٹکرائیں اور فتح سکھوں کی ہوئی۔ رنجیت سنگھ عظیم خاں کے بھائیوں کو مطیع بنانے کے لیے پشاور میں داخل ہوئے جنھیں بعد میں مہاراجہ کی جانب سے شہر پر تسلط قائم رکھنا تھا۔

پشاور پھر ۱۸۲۷ میں میدانِ جنگ بن گیا۔ جب کہ اس علاقہ کے جسے اب مشرقی اتر پردیش کہا جاتا ہے۔ ایک متعصب مسلمان نے پٹھانوں کے درمیان جہاد کی تحریک کو منظم کیا۔ شکست نے اس کے حوصلے پست نہ کیے اور وہ ۱۸۲۸ میں کسی نہ کسی طرح شہر پر قابض ہو گیا۔ پشاوری مسلمان تک اس سے اس کے پیروؤں سے ان کے ظالمانہ فتووں کے باعث نفرت کرتے تھے۔ مہاراجہ نے ۱۸۳۰ میں فوج بھیج کر پشاور کو ان مذہبی جنونیوں کے چنگل سے رہا کرایا۔ سید جو اس تمام جھگڑے کی جڑ تھا ۱۸۳۱ میں جنگ میں مارا گیا۔

www.taemeernews.com

سفارتی پیش قدمیاں

رنجیت سنگھ کی بڑھتی ہوئی اہمیت اور طاقت کو دیکھتے ہوئے دیگر حکمرانوں نے ان کو دوست بنانے کی ضرورت کو سمجھنا شروع کر دیا۔ ۱۸۲۶ء میں نظام حیدرآباد کا ایک ایجنٹ لاہور پہنچا اور وہ اپنے آقا کی جانب سے تحفے لایا۔ ان تحائف میں ایک بہت ہی خوب صورت چھتر تھا۔ جو مہاراجہ نے دربار صاحب کو دان دے دیا۔ ۱۸۳۱ء میں لفٹیننٹ برنز برطانوی شہنشاہ کی جانب سے تحفوں کے طور پر پانچ گھوڑے اور ایک کوچ لایا۔ اس ایلچی کا اہم ترین مقصد یہ تھا کہ وہ مفید سیاسی اور جغرافیائی معلومات حاصل کرے اور خاص طور پر سندھ میں جہاز رانی کی سہولتیں حاصل کرے۔ اسی سال کے دوران میں نئے گورنر جنرل لارڈ ولیم بنٹینک کے خیر مقدم کے لیے مہاراجہ نے ایک دوستانہ وفد شملہ بھیجا۔ لارڈ بنٹینک نے جواب میں وفد بھیجنے کے بجائے یہ فیصلہ کیا کہ وہ خود مہاراجہ کے پاس جائے گا اور اس کے لیے اس نے ساز باز کر کے مہاراجہ سے دعوت نامہ حاصل کیا۔ دونوں ۱۶ اکتوبر کو روپڑ کے مقام پر ملے اور پورے ایک ہفتہ تک بات چیت، فوجی تبصرے اور تفریحی پروگرام جاری رہے۔ اس ملاقات سے اگر مہاراجہ کو کچھ ملا تو وہ "پائیدار" دوستی کا ایک تحریری عہد و پیمان تھا اور اس بات کا صاف اشارہ کیا گیا تھا کہ مہاراجہ سندھ کو اپنے علاقہ میں شامل کرنے کے منصوبے کو ترک کر دے۔ مہاراجہ کی عملداری کی جنوبی سرحد قطعی طور پر متعین کر دی گئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ دونوں فریقین نے ظاہر اطور پر دنیا کے سامنے یہ تاثر پیش کیا کہ دونوں کے درمیان مکمل اتفاق رائے پایا جاتا تھا لیکن انگریز اس وقت سندھ کے امیر سے بھی بات چیت کر رہے تھے اور انھوں نے ۱۸۳۲ء میں اس کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط کیے تاکہ سندھ میں جہاز رانی کو باقاعدہ

www.taemeernews.com

بنا دیا جائے اور اس طرح جو مال جائے اس پر ٹیکس اکٹھا کیا جائے اس معاہدہ پر ۱۸۳۴ میں نظرِ ثانی کی گئی اور پھر ۱۸۳۹ میں۔

جمرود کی لڑائی

کابل کے سابق بادشاہ شاہ شجاع اور مشہور ہیرے کوہِ نور کی کہانی کہیں اور بیان کی جائے گی۔ ۱۸۱۰ء میں رنجیت سنگھ کے جرنیل شجاع کو کشمیر سے جہاں وہ نظر بند تھا لاہور لائے۔ اس کے بعد انگریزوں نے اسے لدھیانہ میں نظر بند کر دیا۔ ۱۸۳۳ میں اپنے تخت کو پھر سے حاصل کرنے کے لیے اپنے منصوبوں میں ناکام رہنے کے باوجود اس نے رنجیت سنگھ سے ایک معاہدہ پر دستخط کئے جس کی رُو سے مہاراجہ اس پٹھان حکمران کی امداد کے بدلے میں وہ علاقے اپنے پاس رکھ سکتا تھا جن پر سندھ کے اُس پار اور اِس پار وہ قابض تھا بہرکیف اپنی سلطنت کو واپس حاصل کرنے کے لیے ۱۸۳۴ میں اس کی نئی کوشش بھی ناکام ثابت ہوئی اور وہ دل شکستہ ہو کر اپنی جلا وطنی کے دن گزارنے کے لیے پنجاب واپس چلا آیا۔

شاہ شجاع اور کابل کے اصل حکمراں دوست محمد کے درمیان اس جدوجہد کے باعث مہاراجہ نے فیصلہ کیا کہ وہ پشاور کو اپنے کنٹرول میں لے لے گا اور انھوں نے اپنے پوتے کو اس جگہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ بہرکیف مہاراجہ کی آمد پر وہ کابل تک پسپا ہو گیا رنجیت سنگھ نے افغان حملوں کے خلاف شہر کی حفاظت کے لیے اس علاقہ میں دو نئے قلعے تعمیر کئے۔ دوست محمد کے دماغ میں ۱۸۳۵ میں اس کا غیر رسمی فرار اور سکھوں کی نئی قلعہ بندیاں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہی اور اس نے ۱۸۳۷ میں جمرود کو گھیر لیا تاکہ سکھوں کو وہاں سے نکال باہر کرے اور پشاور دوبارہ حاصل کرلے۔ رنجیت سنگھ

www.taemeernews.com

کا نمائندہ ہری سنگھ نلوہ اپنی علالت کے باوجود پشاور سے باہر نکلا تاکہ جمرود میں فوجی چھاؤنی کی مدد کر سکے۔ بدقسمتی سے ایک گولی اس کے لگی اور وہ ہلاک ہوگیا۔ مہاراجہ کو خود تیزی سے میدان میں پہنچنا پڑا۔ تاکہ وہ جمرود کی فوج کی مدد کر سکے لیکن افغان اس کی آمد سے پہلے ہی وہاں سے چلے گئے اور حالات جوں کے توں رہے۔

تین فریقوں کا معاہدہ

ہندوستان میں انگریز اس وقت روس کی سازشوں کے بارے میں واقعی پریشان رہنے لگے جو ایران اور ترکستان کی مدد سے سندھ تک بڑھنا چاہتا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ سوچا کہ کابل کے تخت پر کوئی ایسا شخص قابض ہو جائے جو ان کا دوست ہو تو اس خطرہ کو ٹالا جا سکتا ہے۔ اس کی نگاہِ انتخاب شاہ شجاع پر پڑی مگر اس نے اپنی ہی شرائط پیش کیں۔ ان میں ایک مطالبہ یہ تھا کہ رنجیت سنگھ کی توسیع پسندی کے خلاف اور پشاور واپس دلانے کے لیے واضح ضمانتیں دی جائیں۔ لیکن مہاراجہ کسی بھی حالت میں فوجی اہمیت کے اس شہر کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ لارڈ آک لینڈ کے دباؤ کے تحت انھوں نے اس منصوبے پر عملدرآمد میں تعاون دینا منظور کر لیا۔ لیکن وہ ایک حکمراں کی حیثیت سے شاہ شجاع کا زیادہ احترام نہیں کرتے تھے۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ انگریز کابل سے متعلق اپنی شجو بز کو چونکہ عملی جامہ پہنانے کا تہیہ کر چکے ہیں اس لیے ان کو اس تجویز سے الگ نہیں رہنا چاہیئے۔ اس کے مطابق ۲۰ جون ۱۸۳۸ء کو ایک معاہدہ طے پایا اور اس معاہدہ کے فریق تھے، انگریز، مہاراجہ رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع۔

ایک مہماتی فوج جس میں زیادہ تر انگریز تھے فیروزپور میں جمع ہوئی۔ اس

www.taemeernews.com

فوج کا ایک حصہ بہاولپور، سندھ اور درہ بولان کے راستے قندھار پہنچا اور قندھار پر ۱۸۳۹ میں اپریل کے اختتام تک قبضہ کرلیا گیا۔ فوج کا سکھوں پر مشتمل حصہ پنجاب سے ہوتا ہوا آگے بڑھا۔

اس فوج کی کامرانیوں اور ناکامیوں کی مزید روداد اس تذکرے کا حصہ نہیں ہے۔ بہرحال کابل میں انگریزوں کے معرکے میں شمولیت کے لیے رنجیت سنگھ کی رضامندی اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ "فرنگیوں" کی ابھرتی ہوئی طاقت کو تسلیم کرتے تھے۔ علاوہ ازیں ان کا اپنا انجام بھی قریب تھا۔ حد سے زیادہ مہم بازیوں اور ان میں خود ان کی شرکت کے باعث ان کا جسم تھک چکا تھا۔ آخرکار انھوں نے ۲۷ جون ۱۸۳۹ء کو قدرت کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔

www.taemeernews.com

پانچواں باب

کوہِ نور کا قصّہ

ہندوستان کی حکایات اور تاریخ میں ایک بیش بہا پتھر کی حیثیت سے کوہِ نور بہت مشہور ہے۔ یہ دیومالائی پس منظر بھی رکھتا ہے۔ چونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پانڈو مہاراج اسے پہنا کرتے تھے۔ یہ مغلوں کے عہدِ حکومت کے دوران تاریخ میں ابھرا کیونکہ یہ تختِ طاؤس کی زینت تھا۔ جب نادرشاہ نے دلّی کو تاراج کیا اور لوٹا تو کوہِ نور اس کا گراں قدر اثاثہ بن گیا۔ بعد میں یہ احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ لگا۔ ۱۸۱۳ء میں جب یہ ہیرا پنجاب میں نمودار ہوا تو وہ سابق درّانی بادشاہ شاہ شجاع کے پاس تھا۔

۱۸۰۹ میں تخت سے محروم ہو جانے کے بعد اسے کشمیر میں قیدی بنا لیا گیا۔ قصہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ وہاں کا گورنر عطا محمد خاں اکثر شجاع کی آنکھوں تک تلوار لاتا اور اس سے ہیرا زبردستی نکلوانے کے لیے اسے اندھا کر دینے کی دھمکی دیتا۔ بہر کیف وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ اس خوف سے کہ اس کے خاوند کو ہلاک نہ کر دیا جائے یا اسے اپاہج نہ بنا دیا جائے۔ شجاع کی بیوی وفا بیگم نے کشمیر پر مہاراجہ کی چڑھائی کے دوران رنجیت سنگھ سے درخواست کی کہ وہ شاہ شجاع کو رہا کرائیں اور لاہور میں اس کے پاس واپس لے آئیں جہاں وفا بیگم نے پناہ لے رکھی تھی۔ اگر شاہ شجاع بخیر و عافیت سکھ راجدھانی میں لایا جائے گا تو وہ مہاراجہ کو اس کے صلے میں

www.taemeernews.com

کوہِ نور ہیرا دے گی۔

ہم کے اختتام پر لاہور میں آمد پر شاہ شجاع کا شان و شوکت کے ساتھ استقبال کیا گیا اور اسے اس حویلی میں لے جایا گیا جہاں اس کی بیگم اور دیگر افغان پناہ گزیں مقیم تھے۔ ایک دو دن میں شاہ کو ایک مراسلہ ملا جس میں کہا گیا تھا کہ ہیرا بھیج دیا جائے۔ لیکن نہ تو شاہ نے نہ اس کی بیگم نے کوئی جواب دیا۔ ہیرا نہ دینے کے لیے ان کے پس و پیش کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن رنجیت سنگھ نے شاہ شجاع کی رہائی کے لیے کافی تکلیف اور نقصان اٹھایا تھا۔ کشمیر پر چڑھائیوں میں بہت سی جانیں تلف ہوئی تھیں اور بہت زیادہ روپیہ صرف ہوا تھا۔ مہاراجہ کے ایلچی کئی بار گئے لیکن ہر بار وہ بندھا ٹکا جواب لائے "بیگم کہتی ہیں کہ ہیرا قندھار میں ایک ساہوکار کے پاس رہن رکھا ہوا ہے" اور شاہ شجاع اعلان کرتا کہ ہیرا اس وقت دیا جائے گا جب اس میں اور مہاراجہ میں حقیقی دوستی قائم ہو جائے گی۔ رنجیت سنگھ نے اس ہیرے کے عوض میں ایک بڑی رقم اور وافر جاگیر دینے کی پیش کش کی لیکن افغانوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

ان پناہ گزینوں کے ساتھ ابھی تک مہمانوں کا سا سلوک کیا گیا تھا۔ اب ان کے مکان کے گرد بھاری پہرا بٹھا دیا گیا اور عارضی طور پر ان کی رسد بند کر کے ان پر دباؤ ڈالا گیا۔ مکان میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ایجنٹ کے اشارے پر شاہ شجاع کو کافی نقد روپیہ دیا گیا لیکن کوہِ نور پہلے کی طرح غائب رہا۔ آخر کار ایک دن خود رنجیت سنگھ وہاں پہنچے اور معزول افغان بادشاہ پر یہ بات واضح کی کہ اگر وہ ہیرا دے دے گا تو وہ کس حد تک اس کی مدد کریں گے۔ سودا ہو گیا۔

www.taemeernews.com

یکم جون ۱۸۱۳ کا دن بیش بہا ہیرا دینے کے لیے مقرر کیا گیا۔ مہاراجہ ایک بڑی گھوڑ سوار فوج کی قیادت کرتے ہوئے پہنچے۔ دونوں بادشاہ بغلگیر ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد شاہ شجاع کے ملازم "حرم" سے ایک بنڈل لائے جسے مہاراجہ کے حوالے کر دیا گیا۔ بنڈل کھولنے پر رنجیت سنگھ کو اس میں ایک ہیرا ملا۔ یہ ہیرا انھوں نے پرکھنے کے لیے کہ وہ کوہِ نور ہی تھا اپنے ایک ساتھی کو تھما دیا۔ کہانی یوں آگے بڑھتی ہے کہ اپنا اطمینان کر لینے کے بعد وہ شاہ شجاع کا شکریہ ادا کیے بغیر اور الوداع کہے بغیر عجلت کے ساتھ وہاں سے چلے گئے۔

بعد میں مہاراجہ نے وہ ہیرا جوہریوں کو دکھایا۔ جنھوں نے کہا کہ وہ ایک بیش بہا ہیرا تھا۔ اس کے بعد مہاراجہ کے آدمی شاہ شجاع اور اس کے خاندان کے پاس گئے اور انھوں نے ان سے دیگر زیورات اور جواہرات بھی چھین لیے۔ افغان گھرانے پر افسردگی طاری ہو گئی اور شاہ نے کئی دن تک کھانا نہ کھایا۔ اب پہرہ کچھ نرم کر دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ شجاع اور بیگم ایک ایک کر کے لاہور سے فرار ہو گئے اور آخر کار لدھیانہ میں انگریزوں کے قیدیوں کی حیثیت سے جا کر مقیم ہو گئے۔

رنجیت سنگھ پر بعض اوقات یہ نکتہ چینی کی جاتی ہے کہ انھوں نے کوہِ نور ہیرا حاصل کرنے کے لیے شجاع اور اس کے خاندان کو مصائب سے دوچار کیا اور ان پر ستم توڑے یہ معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے جتنا دکھائی دیتا ہے۔ مہاراجہ اور شاہ اپنے زمانہ کے لوگ تھے اور اس زمانہ کی اقدار ہی چلتا سکہ تھی۔ لہٰذا آج کے اخلاقی معیاروں سے ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا ایک غیر استدلالی بات ہوگی۔ اس کے علاوہ شاہ شجاع کا اپنا تذکرہ موجود ہے جس میں وہ مہاراجہ کے خلاف کوئی شدید شکایت نہیں کرتا۔

www.taemeernews.com

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ رنجیت سنگھ نے "علاقہ" دینے سے متعلق شاہ شجاع سے کیے گئے وعدے پورے نہ کیے اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بعد کے واقعات نے ان کو اپنی پالیسی تبدیل کرنے پر مجبور کیا ہوگا۔ بہر حال انھوں نے کابل کے تخت پر شاہ شجاع کو بٹھانے کی مہم میں ۱۸۳۸ میں انگریزوں کا ہاتھ بٹایا اور اس کوشش میں ایک اہم حصہ لیا!

رنجیت سنگھ کی موت کے بعد دس سال تک کوہِ نور لاہور میں رہا۔ اس کے بعد انگریزوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔

اگرچہ اس ہیرے کا ذکر اکثر حکایت اور تاریخ میں ملتا ہے لیکن تفصیل سے اس کے بارے میں بیان بہت کم ملتا ہے۔ ان بہت سے غیر ملکیوں میں جنھوں نے رنجیت سنگھ سے خاص درخواستیں کیں کہ وہ ان کو بیش بہا ہیرا ایک نظر دیکھ لینے دیں۔ غالباً جارج آسبورن ہی واحد ایسے شخص ہیں کہ انھوں نے جو کچھ دیکھا اس کا کافی مناسب حد تک ذکر کیا ہے انھوں نے اس سلسلے میں یہ بتایا کہ "کوہِ نور بہت ہی عالیشان ہیرا ہے جو ڈیڑھ انچ لمبا ہے اور شاید اونچائی کی جانب ایک انچ چوڑا ہے۔ یہ اپنی جڑت سے نصف انچ اوپر ہے۔ اس کی شکل ایک انڈے کی طرح ہے اور یہ دو بہت ہی خوبصورت ہیروں کے درمیان جن کا سائز اس کے مقابلہ میں آدھا ہے ایک دست بند پر جڑا ہوا ہے۔ اس کی قیمت ۳۰ لاکھ پونڈ ہے اور بہت ہی درخشندہ و فروزاں ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں ہے۔"

لیکن اس انگریز افسر کی نظر میں بہر حال مہاراجہ کے موتی اس ہیرے سے بھی زیادہ خوبصورت تھے یہ تین سو ایک لڑی میں پروئے ہوئے تھے۔ ان کی جسامت کا پنج کی گولیوں کے برابر تھی۔ یہ تمام موتی رنگ اور شکل میں بہترین تھے۔ گول اور بے عیب موتی!

www.taemeernews.com

چھٹا باب

گھوڑے اور توپیں

کسی نے بہت اچھا کہا ہے کہ رنجیت سنگھ توپوں اور گھوڑوں کے شیدائی تھے۔ شکاف کی رائے کے مطابق "توپوں سے مہاراجہ کی دلبستگی اور ان کے وزن کے بارے میں ان کی رائے اس قدر ممتاز ہے کہ وہ توپ حاصل کرنے کا موقع کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ جب ان کو یہ پتہ چلتا ہے کہ کس قلعہ میں توپ ہے تو وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتے جب تک توپ حاصل کرنے کے لیے قلعہ سر نہیں کر لیتے۔ یا قلعہ کو بچانے کے لیے توپ انھیں نہیں دے دی جاتی"۔ اس بات کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ انھوں نے زمزمہ توپ حاصل کرنے کے لیے کیا کیا داؤں پیچ استعمال کیے۔ اس زمانہ کے تذکرے کے مطابق انھوں نے لاہور کے ڈھلائی کے کارخانہ میں توپیں ڈھالنے کے لیے چند افسر ملازم رکھے ہوئے تھے۔ رنجیت سنگھ کے توپ خانہ میں تقریباً ۲۰۰ توپیں تھیں۔ مشاہدین کے بیان کے مطابق دیسی ساخت کی یہ توپیں جان کمپنی کی توپوں جتنی اچھی تھیں۔

اس شدید خواہش سے زیادہ قوی تر وہ پرجوش محبت تھی جو گھوڑوں کے لیے مہاراجہ رکھتے تھے یہ امر واقعہ ہے کہ عزیز ترین گھوڑی لیلی کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے روپیہ پیسہ اور سپاہیوں کے لامثال نقصان تک کی پرواہ نہیں کی تھی۔ ان کے پاس ہی تعداد میں جو خاص گھوڑے تھے۔ وہ ہر اس غیر ملکی کی نظر میں چڑھ جاتے تھے

www.taemeernews.com

جوان کے دربار میں آیا کرتا تھا آسٹریا کے چارلس وان ہیوگل جو ۱۸۳۵ میں پنجاب آئے تھے اطلاع دیتے ہیں کہ یہ گھوڑے اپنے بے پناہ حسن کے باعث دل و نظر پر گہرا تاثر چھوڑتے تھے علاوہ ازیں لگام، کاٹھی اور دیگر زیبائشیں بہت ہی قیمتی ہیں۔" اس حقیقت پر مس ایملی گورنر جنرل لارڈ آک لینڈ کی بہن کی نظر بھی پڑی تھی۔ مس ایملی کی رائے ہے۔" رنجیت سنگھ ایسے گھوڑے حاصل کرنے کے لیے جن کے بارے میں یہ مشہور ہوا کہ وہ غیر مخلوط نسل سے تعلق رکھتے ہیں ایک صوبے کے خلاف بھی جنگ کر سکتے ہیں۔"

مہاراجہ نے گھوڑے خریدنے کے لیے ہر سال بھاری رقوم صرف کیا کرتے تھے۔ فی الحقیقت ایک ہزار گھوڑے اصطبلوں میں یا کھونٹوں سے بندھے ہوئے مہاراجہ کے نجی استعمال کے لیے مخصوص تھے۔ بہت سے اعلیٰ نسل کے عربی گھوڑے تھے۔ اس سلسلے میں یہ کہانی کہ گھوڑی لیلیٰ کو کیسے حاصل کیا گیا معلوماتی بھی ہے اور دلچسپ بھی۔

یہ گھوڑی اپنے حسن و جمال کے لیے افغانستان اور پنجاب میں مشہور تھی۔ چنانچہ مہاراجہ نے ۱۸۲۶ میں گھوڑی کے مالک یار محمد خاں گورنر پشاور سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ گھوڑی ان کے حوالے کر دے۔ یار محمد خاں کے انکار کرنے پر مہاراجہ نے اپنے ایک جرنیل کو گھوڑی پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا۔ جب دشمن کی فوج کو شکست دینے کے بعد کمانڈر پشاور پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ گھوڑی مر گئی ہے۔ اس کے بعد نئی فوج کو یہ حکم دے کر بھیجا گیا کہ گھوڑی لائی جائے یا چھین لی جائے اگر گورنر اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو اسے معزول کر دیا جائے۔ خان پہاڑیوں میں بھاگ گیا۔ اسی قسم کی ہدایات ایک اور جرنیل کے نام جاری کی گئیں۔ جب ایک لڑائی میں یار محمد خاں ہلاک ہو گیا تو اس کے بھائی سلطان محمد نے رنجیت سنگھ کے مقصد کو ناکام بنانے کے لیے اسی قسم کی حکمت عملی سے کام لیا۔ آخر کار سلطان محمد کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور اسے تنبیہ کی گئی کہ جب تک وہ گھوڑی لیلیٰ نہیں دے گا تب تک وہ قید رہے گا۔ اس وقت اس نے گھوڑی دے دی اور

www.taemeernews.com

جب وہ لاہور پہنچا تو مہاراجہ نے جشنِ مسرت مناتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا۔

کچھ لوگ اس بات پر شک کرتے ہیں کہ پٹھان نے جو گھوڑی دی وہ حقیقی لیلی تھی یا نہیں۔ اس سے پہلے یار محمد نے رنجیت سنگھ کے آدمیوں کو دوسری گھوڑی دینے کی کوشش کی تھی جب رنجیت سنگھ ۱۸۳۱ میں روپڑ میں لارڈ بنٹنک سے ملے تو انھیں جو گھوڑی لیلی کے نام سے دکھائی گئی تھی اس کا رنگ بھورا تھا۔ لیکن جب ہیرن ہیوگل لاہور گیا تو جو گھوڑی اس نے دیکھی وہ گہرے سلیٹی رنگ کی تھی۔ رنجیت سنگھ نے اسے بتایا کہ لیلی پر ساٹھ لاکھ روپے صرف ہوئے تھے اور ۱۲ ہزار آدمیوں کی جانیں تلف ہوئی تھیں ہیوگل کے بیان کے مطابق گھوڑی کے جسم پر کالی بندیاں تھیں اور وہ سولہ ہاتھ اونچی تھی گھوڑی کے نتھنوں کے گرد طلائی کنگن پہنا کر اسے شان سے آراستہ کیا گیا تھا۔"

محض یہ حقیقت کہ رنجیت سنگھ کے باقاعدہ اور بے قاعدہ رسالہ میں مجموعی طور پر تقریباً ۲۳ ہزار سوار تھے اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مہاراجہ کی مسلح فوجوں میں گھوڑوں کی تعداد کتنی تھی۔ مہاراجہ اور ان کے امراء نے نجی طور پر جو گھوڑے رکھے ہوئے تھے وہ ان کے علاوہ تھے۔ شاید بہت سے گھوڑے چھوٹے اور کمزور تھے اور ان کا سامانِ آرائش بھدا اور بُرا تھا لیکن اس سے اس بات کی قدر کم نہیں ہوتی کہ مہاراجہ کے دل میں گھوڑوں کی لازوال محبت تھی۔ اور جہاں تک ان کے اصطبلوں کا تعلق ہے وہ دنیا کے نفیس ترین اصطبلوں میں سے تھے۔

www.taemeernews.com

ساتواں باب

رنجیت سنگھ کا دربار

اکبر اور شواجی کی طرح رنجیت سنگھ نے بہت کم رسمی تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن اِس بات نے ان کو ایک بیدار مغز اور روادار انسان ہونے سے باز نہ رکھا۔ سکھ دھرم کے بیشتر لوگوں میں پائے جانے والے احساسات نے ان کو برہمنوں، مسلمانوں اور غیر ملکیوں کے خلاف متعصب بنا دیا ہوتا لیکن انھوں نے ان زمروں کے اشخاص کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ فی الحقیقت اِن کے دربار میں بہت سے مذاہب اور قومیتوں کے لوگ تھے۔ یہ ممکن ہے کہ ان کی سیکولر پالیسی (لادینی) مذہبی شبہات و شکوک سے پیدا ہونے والے گہرے غور و خوض کا نتیجہ نہ ہو لیکن اس بات میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ ان کے نظم و نسق پر اس کا بہت اچھا اثر پڑا۔ انھوں نے ہندو اور مسلمان وزیر رکھنے کی جو مثال قائم کی تھی بعد میں اس کی پیروی بہت سی سکھ ریاستوں نے کی۔ ذیل میں ان چند امرار کے نام درج کئے جاتے ہیں جن کو انھوں نے اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا اور جن کے لیے ان کے دل میں احترام تھا اور جن پر وہ اعتماد کرتے تھے۔

فقیر عزیز الدین

رنجیت سنگھ کے دربار میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت ان کے وزیرِ خارجہ فقیر عزیز الدین

www.taemeernews.com

کی تھی۔ ۱۷۹۹ء میں جب رنجیت سنگھ نے لاہور پر قبضہ کیا تو ایک پنجابی حکیم نے ان کی آنکھوں کے درد کا علاج کیا۔ حکیم نے اپنے شاگرد عزیز الدین (کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حکیم کا بیٹا تھا) کو مہاراجہ کی دیکھ ریکھ پر مامور کر دیا اور مہاراجہ اس کے شائستہ اطوار اور فصیح مشرقی اندازِ تکلم سے بہت متاثر ہوئے۔ جلد ہی اسے شاہی حکیم مقرر کر دیا گیا۔ اور مہاراجہ نے اسے جاگیر میں چند گاؤں دے دیے۔ وقت گزرنے پر عزیز الدین مہاراجہ کا رازدار مشیر اور پھر وزیرِ خارجہ بن گیا۔ فی الحقیقت مہاراجہ عزیز الدین کے مشورے پر اس قدر اعتماد رکھتے تھے کہ وہ کوئی نیا اور بڑا معرکہ شروع کرنے سے پہلے اور ریاست کے بیشتر امور مثلاً جانشینی کے معاملہ پر بھی ہمیشہ اس کی صلاح لیا کرتے۔ وزیر نے جو مشورہ دیا تھا وہ انگریزوں کی جانب رنجیت سنگھ کے رویّہ میں خاص طور پر موجود تھا۔ جب مہاراجہ فوجی مہمات پر باہر جاتے تھے تو وہ اکثر لاہور میں فقیر کو نظم و نسق کا نگراں بنا جاتے تھے۔ عزیز الدین گفت و شنید کا ماہر تھا اس لیے وہ خاص سفارتی فرائض کو پورا کرنے کے لیے رنجیت سنگھ کا ایلچی ہوا کرتا تھا اور وہ ہمیشہ اپنا یہ فرض خوش اسلوبی سے سرانجام دیا کرتا تھا۔ اگرچہ وہ سپاہی نہیں تھا مگر کبھی کبھی اسے فوجی فرائض بھی سونپے جاتے تھے۔

مہاراجہ کا یہ قابلِ اعتماد وزیر عقیدے کے لحاظ سے صوفی تھا اس لیے بڑا روادار اور غیر متعصب تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے جب رنجیت سنگھ نے اس سے یہ پوچھا کہ وہ ہندو مذہب کو ترجیح دیتا ہے یا اسلام کو" تو وزیر نے بڑی ہوشیاری سے جواب دیا۔ "میں ایک ایسا انسان ہوں جو پرزور دریا میں بہہ رہا ہو۔ میں اپنی آنکھیں گھما کر دھرتی کی طرف دیکھتا ہوں مجھے تو دونوں کناروں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔" وہ صرف دو درباریوں میں سے ایک تھا۔ دوسرا درباری بھائیا رام سنگھ تھا جو رنجیت سنگھ کی اشاروں اور کنایوں والی زبان کی صحیح طور پر ترجمانی کر سکتا تھا۔

عزیز الدین گفتگو اور تحریر دونوں ہی میں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے جو ریاستی

www.taemeernews.com

دستاویزات مرتب کیں وہ اعلیٰ ذوق اور نفاست کے نمونے ہیں۔ وہ ایک زبردست عالم تھا، علم نواز تھا اور فارسی اور عربی پڑھانے کیلیے اپنے خرچ سے ایک کالج چلاتا تھا۔ وہ شاعر بھی تھا اور اپنے صوفی عقیدے کا اظہار آسان اور خوبصورت فارسی زبان میں کیا کرتا تھا۔ عزیز الدین اپنے آپ کو فقیر کہتا تھا اور فقیر جیسا لباس پہنتا تھا۔ دراصل حریفوں اور دشمنوں کے خلاف یہ اس کا زرہ بکتر تھا۔ اس کے جانشینوں کے بیان کے مطابق مہاراجہ نے اسے یہ خطاب عطا کیا تھا جو نام سے پہلے کے ایسے لقب کی تلاش میں تھے جو نسلوں تک خاندان سے وابستہ رہے۔ اس شرف کے ساتھ ساتھ دوگیرے رنگ کی شال بطور تحفہ دی گئیں۔

لیپل گرفن کہتے ہیں کہ عزیز الدین قابل اور ایماندار شخص تھا۔ صوفی وفادار بھی تھا۔ وہ رنجیت سنگھ کو اچھی طرح سمجھتا تھا اور مہاراجہ کے اشاروں اور الفاظ کی مناسب ترجمانی کیا کرتا تھا۔ خاص طور پر اس وقت کے بعد جب مہاراجہ کی زبان جزوی طور پر مفلوج ہوگئی تھی۔ رنجیت سنگھ کی علالت کی مدت میں وہ مسلسل اور ان تھک طور پر دیکھ بھال کرتا رہا۔ میگریگر نے اس کے بارے میں یہ کہا "اگر رنجیت سنگھ اس کے والد ہوتے تو بھی وہ اس سے زیادہ فکرمند نہیں ہوسکتا تھا"۔ عزیز الدین کا انتقال دسمبر ۱۸۴۵ میں سکھوں کی پہلی جنگ میں انگریزوں کی جیت سے ذرا پہلے ہوا۔

نورالدین اور امام الدین

فقیر عزیز الدین نے اپنے دو چھوٹے بھائیوں نورالدین اور امام الدین کو رنجیت سنگھ کا ملازم رکھوایا اور وقت گزرنے پر دونوں مہاراجہ کے دربار کے اہم ترین رکن بن گئے۔ نورالدین کا خاص طور پر اس کی ایمانداری اور پاکبازی کے لیے بہت احترام کیا جاتا تھا۔

www.taemeernews.com

پہلے وہ اعلیٰ میڈیکل افسر تھا۔ بعد وہ قائم مقامِ بادشاہ سے متعلق کونسل کا ہم ترین رکن بن گیا جسے مہاراجہ دلیپ سنگھ کے بالغ ہونے تک حکومت چلانی تھی۔ وہ اس سے پہلے پبلک ورکس (محلات، باغات) اسلحہ خانہ اور کمسریٹ کا انچارج رہ چکا تھا۔ وہ چابیوں اور خزانہ کے تین محافظوں میں سے ایک تھا اسے "حکیم" اور "خلیفہ نورالدین" کے نام سے پکارا جاتا تھا اس کے پڑپوتے وحیدالدین کے بیان کے مطابق اس کا پڑدادا اصل میں مہاراجہ کے عدالتی ضمیر کا نگہبان تھا۔ امام الدین امرتسر کی بیرونی سرحد پر واقع گووندگڑھ قلعہ کا گورنر تھا اگر یہ مسلمان اپنے ذاتی مفاد کی طرف ذرا بھی راغب ہوتے تو وہ اپنے اس بے پناہ اقتدار کو اپنے نجی مفادات کی جستجو میں ایک جماعت یا ڈھرے بندی قائم کرنے کے لیے استعمال کر سکتے تھے۔ لیکن رنجیت سنگھ کو ان پر جو اعتماد تھا اس کا انھوں نے کبھی غلط استعمال نہیں کیا تھا یا غداری نہیں کی تھی اور وہ مہاراجہ کی حکومت کے دوران شروع سے آخر تک وفادار رہے۔

راجہ دینا ناتھ

راجہ دینا ناتھ کشمیری تھا اور رنجیت سنگھ نے ۱۸۱۵ میں یا اس کے لگ بھگ اسے اپنے چچا گنگا رام کی اعانت کے لیے ملازم رکھا تھا جو خزانچی تھا۔ گنگا رام کی موت پر دینا ناتھ مہر کو چک کا رکھوالا بن گیا اور مالیات کا محکمہ بھوانی داس کی موت پر اس کے سپرد کیا گیا۔ دینا ناتھ کا موازنہ یورپ کے سیاست داں ٹیلرینڈ سے کیا گیا ہے کیونکہ وہ بہت سی تبدیلیوں کے باوجود صاف بچا رہا اور اس کی دولت اور اس کے اقتدار میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ وہ ایک دانش مند اور دور بیں شخص تھا لیپل گرفن کی رائے ہے "دینا ناتھ محبِ وطن تھا لیکن اپنی ذات سے محبت وطن کی محبت پر فوقیت رکھتی تھی۔" لیکن ہوسکتا

www.taemeernews.com

ہے کہ یہ تعصب اس لیے ہو کہ دینا ناتھ انگریزوں کو ناپسند کرتا تھا۔ بہرحال دینا ناتھ ایک حوصلے مند انسان تھا۔ "وہ بے پناہ مقامی معلومات اور کام کرنے کی لامحدود صلاحیت رکھتا تھا۔۔۔۔ وہ ایک پختہ کار زمانہ شناس تھا۔۔۔۔ مہذب اور محتاط تھا۔۔۔۔ کافی تعلیم یافتہ تھا۔۔۔۔ اور یورپ کے لوگوں سے بات چیت میں وہ غیر معمولی دلیری اور راست بازی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا کرتا تھا۔" ۱۸۳۴ء میں رنجیت سنگھ نے اسے وزیرِ خزانہ بنا دیا۔ ویسے بھی وہ مہاراجہ کے قابلِ اعتماد مشیروں میں سے تھا۔ لاہور پر انگریزوں کے تسلط کے بعد بھی وہ پنجاب کی خدمت کرتا رہا۔ وہ دربار کے حسابات کی گتھی سلجھانے میں مدد دیتا تھا۔ رنجیت سنگھ نے پہلے اسے دیوان اور پھر راجہ بنا دیا۔ راجہ دینا ناتھ ہی مالیاتی نظام کو منظم کرنے کا ذمہ دار تھا جو مہاراجہ کو باقاعدگی کے ساتھ وافر سرمایہ فراہم کیا کرتا تھا۔

جمعدار خوشحال سنگھ

یہ میرٹھ کا برہمن رنجیت سنگھ کے امورِ خانہ داری کا منتظم تھا۔ جب وہ ۱۷ برس کی عمر میں لاہور آیا تو وہ پہلے گھریلو ملازم اور پھر پانچ روپیہ ماہوار پانے والا ایک معمولی سپاہی بنا۔ مہاراجہ کے امورِ خانہ داری کے منتظمین کی وساطت سے وہ رنجیت سنگھ کا نجی محافظ بن گیا۔ اس کی خوبروئی، اس کا فوجی ڈیل ڈول اور اس کی تیزی و طراری بہت جلد مہاراجہ کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ ایک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ ایک رات جب مہاراجہ بھیس بدل کر باہر گیا تو ان کی واپسی پر خوشحال چند نے ان کو محافظ خانہ میں روک لیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے نجی نگہبان بنا لیا گیا۔ جلد ہی اسے جمعدار اور محل کے محافظوں میں "ڈیوڑھی دار" بنا دیا گیا۔ یہ عہدہ بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ کیونکہ اس کی وساطت ہی سے

www.taemeernews.com

کوئی مہاراجہ سے ملاقات کر سکتا تھا۔ دراصل خوشحال چند میر تشریفات تھا، جلوسوں کا ناظم تھا اور دربار کا نگراں تھا۔ ڈیوڑھی دار کا عہدہ اثر و رسوخ اور آمدنی بڑھاتا ہے۔ چند سال بعد اس نے امرت پیا اور اس کا نیا نام خوشحال سنگھ رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد اس کا اثر و رسوخ اور زیادہ بڑھا اور اسے فوجی فرائض بھی سونپے جانے لگے۔ ۱۸۳۲ میں جب اسے کشمیر کا گورنر بنایا گیا تو اس نے لوگوں پر اتنے ظلم ڈھائے کہ مہاراجہ اس سے ناراض ہو گیا۔ جمعدار اپنی بات چیت میں بھی غیر محتاط ہو گیا۔ خلل اعصاب کے نتیجے کے طور پر وہ چڑچڑا ہو گیا اور اس کے باعث ناخوشگوار جھگڑے ظہور میں آنے لگے۔ آخر کار اسے اس کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا اور اس کی جگہ دھیان سنگھ ڈوگرہ کو دے دی گئی۔ خوشحال سنگھ کا ایک بھائی اور ایک بھتیجا (بھائی رام سنگھ اور تیج سنگھ) سکھوں کی فوج میں جرنیل کے عہدے تک پہنچے۔

جموّں کے بھائی

جب خوشحال سنگھ کی معزولی کے باعث امورِ خانہ دار کے منتظم کے عہدے کی باگ ڈور دھیان سنگھ کے ہاتھ میں آگئی تو اس تبدیلی کا مطلب یہ تھا کہ مہاراجہ کے دربار میں فی الحقیقت ڈوگرہ خاندان کا عروج شروع ہوا کیونکہ نیا ڈیوڑھی دار بہت جلد اپنے دو بھائیوں گلاب سنگھ اور سچیت سنگھ کو بھی لے آیا۔ دھیان سنگھ ایک بہت ہی شائستہ اور دلکش انسان تھا۔ بڑا بھائی گلاب سنگھ شیریں زبان تھا اور چھوٹا بھائی سچیت سنگھ شائستہ بھی تھا اور خوبرو بھی۔ یہ تینوں زور آور سنگھ کے پوتے تھے۔ گلاب سنگھ بہت جلد رسالے کا کمانڈر بن گیا۔ یہ بھائی برق رفتاری سے عروج کو پہنچے۔ کیونکہ وہ نہ صرف پختہ کار درباری تھے بلکہ سوچے سمجھے عمل میں ایک دوسرے کے معاون بھی تھے۔ بہت جلد ہی ان میں سے

www.taemeernews.com

ہر ایک راجہ بن گیا۔ گلاب سنگھ جموں کا، دھیان سنگھ بھمبر کا اور سچیت سنگھ رام نگر کا۔
گلاب سنگھ زیادہ تر جموں میں رہتا تھا۔ لیکن باقی دونوں بھائی لاہور میں اپنے مقصد کو آگے بڑھاتے تھے۔ ان میں دھیان سنگھ تیزی سے پیش قدمی کرتا رہا۔ جلد ہی امورِ خانہ داری کے منتظم سے وہ ترقی کر کے حقیقی معنوں میں بڑا وزیر بن گیا اور اسے "راجائے راجگاں" کا خطاب ملا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مہاراجہ کے ساتھ کاروباری بات چیت کو آسان بنانے کے لیے اپنے مکان میں چھوٹا سا دربار لگایا کرتا تھا۔ آسبورن اس مصاحب کی خوبصورتی، اس کے انداز اور آداب سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ اپنے آقا کے اعتماد کے دائرے میں بہت بلند مقام پر کھڑا تھا اور اپنی ذہانت اور ہوشیاری سے سکھوں میں بہت اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ دھیان سنگھ بہت دولتمند تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی جاگیر پہ نرمی اور عدل و انصاف سے حکومت کیا کرتا تھا۔ انگریزوں کی نظروں میں یہ ایک ہر دلعزیز اور برسر اقتدار شخص کی واحد مثال تھی۔ جس کے اقتدار اور اس کے اثر و رسوخ سے رشک کرنے کی بنسبت اس کی خوبیوں اور صلاحیتوں کو بہت زیادہ سراہا جاتا تھا۔ وہ چونکہ شریف النفس اور سادہ مزاج انسان تھا اس لیے آسبورن یورپینوں اور بالخصوص انگریزوں کی جانب اگر دشمنی نہیں تو مہاراجہ کی سرد مہری پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

دھیان سنگھ کے اقتدار کے عروج میں اس کے بیٹے ہیرا سنگھ کے لیے مہاراجہ کے دل میں جو محبت پیدا ہو گئی تھی اس نے بڑی مدد کی۔ ہیرا سنگھ ایک غیر معمولی (قبل از وقت نشو و نما یافتہ) اور خوب صورت لڑکا تھا جسے سرکردہ مصاحبوں سے بھی زیادہ آزادی حاصل تھی۔ ایک مورخ کے الفاظ میں بھائیوں کے اوصاف کا امتزاج یعنی دھیان سنگھ ایک شہری، سچیت سنگھ ایک فوجی اور گلاب سنگھ میں دونوں کی ذہانتوں

www.taemeernews.com

کے کچھ حصّے کا امتزاج، رنجیت سنگھ کے آخری ایام میں ایک ناقابلِ مزاحمت ڈھرے بندی تھا۔ اپنے کردار اور صلاحیت کی طاقت سے انھوں نے رنجیت سنگھ کی بادشاہت کے آخری دو ڈھائی سالوں میں عظیم اقتدار حاصل کیا۔ دھیان سنگھ کی موت کے بعد گلاب سنگھ لاہور کے دربار میں انتہائی طاقت ور شخص بن گیا۔ اس کے بعد اس نے انگریزوں کی خدمت کی جنھوں نے اسے جموں اور کشمیر کا حکمراں بنا دیا۔ مہاراجہ ہری سنگھ جنھوں نے ۱۹۴۷ء میں تخت چھوڑ دیا تھا وہ گلاب سنگھ کے بیٹے پرتاپ سنگھ کے متبنیٰ تھے۔

دیوان محکم چند

متعدد ذہین فوجی کمانڈروں نے علاقوں کی فتوحات میں رنجیت سنگھ کی مدد کی۔ ان میں ممتاز ترین دیوان محکم چند تھا جو ایک بیوپاری کا بیٹا تھا اور جس نے اپنی زندگی کا آغاز بھنگیوں کے تحت ایک منشی کی حیثیت سے کیا تھا۔ رنجیت سنگھ فوراً اس کے اوصاف کو پہچان گئے اور انھوں نے بہت سی مہمات اس کے سپرد کر دیں۔ ستلج کے اس پار کی مہمات میں پے بہ پے کامرانیاں، سیالکوٹ کی تسخیر، پہاڑی ریاستوں کی محکومی اور میدانوں میں مختلف فتوحات بڑی حد تک محکم چند کی فوجی قابلیتوں کی مرہونِ منت ہیں۔ رنجیت سنگھ اپنے جرنیل کا ممنون تھا کہ اس نے شاہ شجاع کو ان کی گرفت میں لا پھینکا تھا۔ ایک عظیم کمانڈر ہونے کے علاوہ محکم چند ایک کامیاب ناظم بھی تھا۔ اس نے جالندھر دوآب پر حکومت کی اور دربار کے لیے مالیات حاصل کرنے میں اس نے لوگوں کے خلاف مقدمے نہ چلائے اور ان پر ظلم نہ توڑا۔ وید کے الفاظ میں "محکم چند راجہ کے ان پہلے افسروں میں سے تھا جو راجہ کے بیش قیمت حصولِ اقتدار میں اپنا حکم قائم کرنے میں کامیاب ہوا۔" جب ۱۸۱۴ء میں پھلور میں محکم چند کا انتقال ہوا تو مہاراجہ

www.taemeernews.com

کو بے حد غم ہوا۔ جرنیل کو اس طرح عزت بخشی گئی کہ ریاست بھر میں اس کا سوگ منایا گیا۔ اس نے لاہور کے دربار کو تین وفادار خادم عطا کیے۔ اپنا بیٹا موتی رام، اپنے پوتے کرپارام اور رام دیال۔ یہ دونوں، ہی اعلیٰ فوجی عہدوں پر فائز تھے۔

خارجی مشاہدین کی رائے میں دیوان محکم چند رنجیت سنگھ کے جرنیلوں میں سب سے بہتر جرنیل تھا۔ ۱۸۰۶ سے ۱۸۱۴ تک وہ سکھ فوج کا سپہ پتی رہا تھا۔ اور مہاراجہ کی تمام فتوحات سے وابستہ رہا تھا۔ رام دیال بھی ایک ہنرمند کمانڈر تھا لیکن وہ اپنے دادا کے چار سال بعد ہی مر گیا۔

مشر دیوان چند

محکم چند کی طرح مشر دیوان چند بھی برہمن تھا۔ اس کے آباؤ اجداد سپاہی نہیں تھے۔ لیکن وہ بہت ہی کامیاب جرنیل ثابت ہوا۔ اس نے بڑی وفاداری سے رنجیت سنگھ (رنجیت سنگھ ہی اسے ڈھونڈھ کر لایا تھا۔) کی خدمت کی۔ دس برس سے زیادہ عرصہ تک یعنی ۱۸۱۴ سے ۱۸۲۵ تک مہاراجہ اپنی فتوحات کے لیے اسی پر دار و مدار رکھتے تھے۔ دیوان چند نے ان فوجوں کی کمان کی جنھوں نے ملتان اور کشمیر کو فتح کیا۔ اول الذکر کو ۱۸۱۸ میں اور موخرالذکر کو ایک سال بعد۔ ملتان کی فتح کے عوض میں رنجیت سنگھ نے مشر دیوان چند کو "ظفر جنگ بہادر" کا خطاب دیا اور کشمیر کی فتح کے لیے اس کو "فتح جنگ" کا خطاب دیا گیا۔ جب صدا کور نے معاندانہ رویہ اختیار کیا اور اس کی ریاست کو جدا کرنا پڑا تو مہاراجہ نے یہ کام دیوان کو سونپا۔ مشر نوشہرہ کی جنگ سے بھی وابستہ رہا۔ ۱۸۲۵ میں دیوان چند کی موت پر (ہیضے سے) لاہور کے دربار کو المناک نقصان پہنچا۔ مہاراجہ نے اسے ایک قابل جرنیل ایک بہترین رفیق اور آزاد خیال پایا تھا۔ ان کا دل

www.taemeernews.com

گہرے غم میں ڈوب گیا اور انھوں نے اپنے ملازمین کو بتایا کہ ان کی ملازمت میں مثل دیوان جیسا کوئی دوسرا شخص نہیں تھا۔

ہری سنگھ نلوہ

جن جرنیلوں نے رنجیت سنگھ کی خدمت کی ان میں غالباً ہری سنگھ ہی ایسا جرنیل ہے جس کی یاد لوگوں کے ذہن میں ابھی تک قائم ہے۔ اسے نلوہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک ہی ضرب میں شیر کا سر اس کے تن سے جدا کر دیا تھا۔ ہری سنگھ اپنے زمانہ میں بجا طور پر اپنی بہادری اور مہارت کی وجہ سے مشہور تھا۔ مہاراجہ کو اس سے دلی لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رنجیت سنگھ تمام انتہائی مشکل مہمات اسی کے سپرد کیا کرتے تھے۔ دیوان چند اور ہری سنگھ دونوں نے مل کر نواب مظفر خاں کے خلاف ملتان کی جنگ جیتی تھی۔ نلوہ نے اس فوج کے ایک حصّہ کی کمان کی جس نے ۱۸۱۹ میں کشمیر پر حملہ کیا تھا۔ جب اس علاقہ کو فتح کر لیا گیا تو نلوہ کو گورنر مقرر کیا گیا۔ اس فرض کی کامیابی کے بارے میں دو رائیں ہیں لیپل گرفن کی رائے کے مطابق نلوہ اس قدر غیر مقبول ہو گیا کہ مہاراجہ نے اسے واپس بلا لیا۔ دوسری رائے اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں کشمیر کی نلوہ کی گورنر شپ بہترین تھی بہرکیف ہزارہ اور کشمیر میں رنجیت سنگھ کے نمائندے کی حیثیت سے ہری سنگھ کو زیادہ تر یاد کیا جاتا ہے۔ وہ رہزنوں اور لٹیروں سے سنگدلانہ سلوک کرتا تھا۔ اس نے کابل کی بادشاہت اور افغان قبائل کو اپنی نجی دلیری اور اپنے فوجی دستوں کی برق رفتار نقل و حرکت کے باعث زیرِ نگیں رکھا۔ اس سرحد پر نلوہ نے جو کام کیا اس پر رنجیت سنگھ اس قدر خوش ہوا کہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے کسی سے یہ بات کہی کہ ایک سلطنت پر کامیابی سے حکمرانی

www.taemeernews.com

کرنے کے لیے ہری سنگھ نلوہ جیسے آدمیوں کا ہونا ضروری ہے ۱۸۳۷ میں جمرود کی لڑائی میں جو بہت سے زخم کھائے تھے ان کے باعث ہری سنگھ نلوہ شہید ہوا۔ جب اس کو میدانِ جنگ سے اٹھا کر لے جایا جا رہا تھا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے درخواست کی تھی کہ جب تک مہاراجہ کے امدادی دستے نہیں پہنچ جاتے تب تک اس کی موت کی خبر کسی کو نہ دی جائے۔ جب ہری سنگھ نلوہ کی موت کی خبر مہاراجہ رنجیت سنگھ کو ملی تو ان کی آنکھوں میں آنسو چھلنے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے کہا کہ نلوہ بہت بڑا نمک حلال تھا یعنی وفادار اور ایماندار پیرو تھا۔

ہیرا سنگھ

راجہ دھیان سنگھ کا یہ بیٹا اگرچہ ابھی بچہ ہی تھا جب وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی نظروں پر چڑھ گیا تھا اور دربار میں آنے لگا تھا لیکن وہ اپنی زندگی کے بیشتر ایام تک مہاراجہ کا مراعات یافتہ درباری رہا۔ وہ ۱۸۱۸ میں پیدا ہوا تھا اور بے حد خوبصورت تھا۔ اس کا نکھرا نکھرا سا رنگ تھا اور وہ دل کو موہ لینے والا بچہ تھا جب وہ لڑکپن کی عمر کو پہنچا تو ایک زیرک طالب علم ثابت ہوا۔ اس نے گھوڑ سواری، شمشیر زنی اور بندوق چلانی سیکھ لی۔ اپنی شوخی اور تیز فہمی کے باعث وہ مہاراجہ کا محبوب بن گیا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ مہاراجہ کے اپنے بیٹوں سے بہت مختلف تھا۔ کھڑک سنگھ کا بشرہ سادہ تھا وہ کند ذہن تھا اور لوگوں کی صحبت میں بے کلی سی محسوس کرتا تھا۔ شیر سنگھ خوبصورت تھا لیکن زیادہ عرصہ تک باہر رہتا تھا اور اس کی نانی سدا کور جو بٹالہ میں رہتی تھی اس کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔

جلد ہی ہیرا سنگھ رنجیت سنگھ کا کبھی نہ جدا ہونے والا رفیق بن گیا۔ دربار میں مہاراجہ کے قریب دو شہزادوں کے ہمراہ اس کے لیے نشست مخصوص کر دی گئی۔ دھیان سنگھ مہاراجہ

www.taemeernews.com

کے سنگھ سن کے پیچھے کھڑا رہتا تھا مگر اس کا بیٹا مہاراجہ کے پہلو میں بیٹھا تھا اور اپنی ذہین اور شگفتہ بھولی بھالی باتوں سے رنجیت سنگھ کا جی خوش کیا کرتا تھا۔ ابھی وہ دس برس کا ہی تھا کہ اسے راجہ بنا دیا گیا۔ اسے نہ صرف جاگیر دی گئی بلکہ کمان کے لیے ایک بٹالین بھی دی گئی اور پھر وہ انیس برس کا ہوگیا۔ ہیرا سنگھ ایک بہت ہی خوبصورت شخصیت ثابت ہوا وہ نہ صرف ایک اچھا سپاہی تھا بلکہ ایک منجھا ہوا درباری بھی تھا۔ اور رنجیت سنگھ نے ۱۸۲۹ میں اس کی شادی کا انتظام کیا۔

جب آسبورن ۱۸۳۸ء میں اس سے ملا تو ہیرا سنگھ تقریباً ۲۰ برس کا تھا۔ ان کا مشاہدہ تھا کہ دوسرے سرداروں کی بہ نسبت مہاراجہ کو وہ نوجوان بہت عزیز تھا۔ حتّٰی کہ راجہ دھیان سنگھ کو بھی کسی خاطر میں نہیں لایا جاتا تھا رنجیت سنگھ پر اس کا اثر غیر معمولی ہے۔ اگرچہ اس نے یہ اثر و رسوخ ایک ایسے انداز میں حاصل کیا ہے جو کسی دوسرے ملک میں اسے ہمیشہ کے لیے بدنام کر سکتا ہے۔ لیکن یہاں سب اس کی قدر کرتے ہیں اور عزت کرتے ہیں" اس سپاہی اور ڈپلومیٹ کی نظروں میں ہیرا سنگھ نسوانی انداز میں خوب صورت تھا۔ کمر سے اوپر تک اس کا جسم ہیروں، موتیوں اور جواہرات سے ڈھکا ہوا تھا وہ نوجوان انگریزی سیکھنے میں مصروف تھا۔ اس حقیقت نے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے اچھے سبھاؤ اور شریفانہ رویہ نے آسبورن کو گہرائی کے ساتھ متاثر کیا جس نے کہا کہ "ہیرا سنگھ دربار کی بہت ہی پیاری شخصیت ہے۔"

مہاراجہ رنجیت سنگھ نوجوان کو غیر معمولی ڈھیل اور چھوٹ دیتے تھے۔ ہیرا سنگھ واحد شخص تھا جو نہ بلائے جانے پر بھی رنجیت سنگھ سے بولنے کی جسارت کر سکتا تھا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ وہ مہاراجہ کی بات کو ٹوکنے اور کاٹنے سے بھی ہچکچاتا نہیں تھا ایک موقع پر جب کشمیر سے آئے ہوئے نذرانے (شالوں، زیورات، ہتھیاروں اور نقدی کی صورت میں) محل کے ایک کمرے میں بکھرے پڑے تھے تو ہیرا سنگھ نے کہا "عالی جاہ آپ کو ان سب

www.taemeernews.com

کی ضرورت نہیں ہے مجھے دے دیجیے" رنجیت سنگھ فوراً مان گئے، ۱۸۴۳ میں ہیرا سنگھ کو مہاراجہ نونہال سنگھ کا وزیرِ اعظم نامزد کیا گیا لیکن اس کے مقدر میں زیادہ دیر تک زندہ رہنا نہیں لکھا تھا۔ اپنے باپ کی طرح وہ ۱۸۴۴ میں خالصہ فوج کے ہاتھوں تشدد کی موت مرا۔

اکالی پھولا سنگھ

پھولا سنگھ اکالی کو رنجیت سنگھ کے درباریوں میں شمار کرنا ستم ظریفی کے مترادف ہوگا۔ لیکن اس شخص کی اہمیت اور اس اثر و رسوخ کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے جو وہ لوہے کے چکر اور چھلے پہننے والے ان نہنگوں میں رہنما کی حیثیت رکھتا تھا جو یہ نہیں چاہتے تھے کہ مہاراجہ انگریزوں کو دوست بنائے اپنی خود مختاری کو کم کرے یا تقلیدِ ہندی کی جستجو میں سمجھوتے کرے پھولا سنگھ بہت بہادر تھا مگر متعصب بھی تھا۔ ۲۵ فروری ۱۸۰۹ء کو امرتسر میں جبکہ محرم اور ہولی ایک ہی دن تھے اس کا اور اس کے پیروؤں کا مسلم محافظوں سے تصادم ہوا تھا۔ اس نے ایک نہنگ کو اس بات پر بھی اکسایا تھا کہ وہ روپڑ میں مہاراجہ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کرے جب کہ یہ بات صاف اور واضح ہو چکی تھی کہ انگریزوں نے بہت کچھ حاصل کر لیا تھا اور مہاراجہ کو صرف چند مراعات دی تھیں۔ رنجیت سنگھ دل ہی دل میں اکالیوں کے اس رویہ کو ناپسند کرتے تھے لیکن وہ نہ صرف ان اکالیوں کے سلسلے میں صبر و تحمل سے کام لیتے تھے بلکہ ان جیسے متعصب مسلمانوں کے خلاف ان کو استعمال بھی کرتے تھے۔ پھولا سنگھ تضادات کا امتزاج تھا۔ وہ حد سے زیادہ منکسر المزاج اور پاکباز تھا اور گردواروں میں چھوٹے چھوٹے کام کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ لیکن وہ حکم عدولی کرنے پر بھی آمادہ رہتا تھا۔

www.taemeernews.com

اس کی جارحانہ فطرت کی عکاسی کرنے والی یعنی رنجیت سنگھ تک کی علانیہ نافرمانی کرنے کے لیے ہر موقع کو اچھا سمجھنے سے متعلق ایک کہانی ملتی ہے۔ ایک دن جب مہاراجہ ہاتھی کی پیٹھ پر سوار لاہور کے بازاروں میں سے گزر رہے تھے تو کہا جاتا ہے کہ پھولا سنگھ نے ایک مکان کے چھجے سے ان کو یوں مخاطب کیا۔" ابے اوکا نے تجھے یہ بھینسا سواری کے لیے کس نے دے دیا"، رنجیت سنگھ نے خفا ہونے کی بجائے مذاق سے جواب دیا" یہ آپ ہی کا دیا ہوا تحفہ ہے" ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ عموماً خالصہ اور خصوصاً اکالیوں کی مدد سے برسرِ اقتدار آئے تھے۔

چھوٹی شخصیتیں

دیگر بیسیوں اشخاص، چند سپاہی اور چند شہری ایسے تھے جو مہاراجہ کے دربار میں کافی اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر نواب مظفر خاں کے دو بیٹے سرفراز اور ذوالفقار تھے۔ جن سے رنجیت سنگھ جنگ میں ان کے والد کی شہادت کے بعد بہت فراخدلانہ سلوک کیا کرتے تھے۔ خدا یار خاں لوانا کا سردار تھا جس کے جانشین انگریزوں کے عہد میں بھی مشہور شخصیتیں تھے۔ سکھ گنتھی تھے رام سنگھ اور گورمکھ سنگھ۔ اول الذکر فوجی مہمات کے دوران مہاراجہ کا رفیق تھا۔ اٹاری والے سردار تھے جن میں چند سردار ۱۸۴۸ میں انگریزوں کے مخالفوں کے رہنما بن گئے تھے۔ سردار لہنا سنگھ مجیٹھیہ (سردار دیال سنگھ کے والد جو اخبار ٹریبون کے بانی تھے) نہ صرف ایک جری اور شیر دل سپاہی تھے بلکہ ایک عظیم موجد بھی تھے، توپیں ڈھالنے کے ماہر تھے اور علم ہیئت اور ریاضی کے طالب علم تھے۔ آسبورن کے بیان کے مطابق وہ جست کے بنے ہوئے توپ کے پھٹنے والے گولے ڈھالنے میں بھی کامیاب ہوئے تھے۔ ان

www.taemeernews.com

کے عظیم اوصاف میں سے ایک اور وصف ان کی ایمانداری تھا اور ایک ایسے دَور میں بدعنوانیوں سے مکمل کنارہ کش تھے۔ جبکہ یہ کمزوری بہت ہی عام تھی۔

www.taemeernews.com

آٹھواں باب

مہاراجہ کی فوج اور یورپی افسر

رنجیت سنگھ ایک بہت اچھے جرنیل تھے لیکن وہ اس سے بھی اچھے منتظم تھے۔ ان کی فوجی کامیابیوں کی ایک بڑی حقیقت یہ تھی کہ انھوں نے سکھ فوج کو جو گروہوں کی شکل میں تھی منظم کر کے ایک باضابطہ اور مسلح فوج بنا دیا تھا وہ اس بات کو بھی سمجھتے تھے کہ ابتدائی طریقۂ عمل سے ہٹ کر پیدل چلنے والے فوجی کو سوار سے زیادہ اہمیت دینی چاہیے انھوں نے برطانوی نظام کا مطالعہ کیا اور اسے اپنی فوج کے لیے اختیار کیا اور پیدل فوج کو رسالے پر فوقیت دی۔ یورپین افسروں کو ملازم رکھنے سے انھیں اس تبدیلی کو بروئے عمل لانے میں مدد ملی۔

رنجیت سنگھ کے عہد میں رنگروٹ حاصل کرنا دشوار نہیں تھا۔ کیونکہ مہاراجہ کے یہاں ملازمت بہت مقبول تھی اور وہ خاص توجہ سے پیدل فوج کے لیے طاقتور اور خوب صورت آدمی چنا کرتے تھے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد بڑھتی رہتی تھی۔ ۱۸۱۱ء میں ان کے پاس صرف ۴ ہزار سپاہی تھے لیکن رنجیت سنگھ کے آخری ایام میں ان کی فوج کل ۳۸ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ پیدل فوج میں ۲۹۵۰۰ سپاہی تھے رسالہ میں ۴۰۰۰ سپاہی تھے اور توپ خانہ میں ۴۵۰۰ سپاہی تھے ہر مہینہ اس پر کل خرچ تقریباً پونے چار لاکھ روپے آتا تھا اگرچہ ہر مہینہ تنخواہ دینے کا نظام ایسٹ انڈیا کمپنی سے مستعار

www.taemeernews.com

لیا گیا تھا۔ لیکن کئی مہینہ کی تنخواہ بقایا رہتی تھی۔ سپاہی اس وقت تک خدمت انجام دیتے تھے جب تک کہ وہ لڑائیوں کے لیے موزوں رہتے تھے۔ ریٹائر ہونے پر کوئی فائدہ نہیں دیا جاتا تھا لیکن ریٹائر ہونے والے سپاہیوں کے بیٹوں اور نزدیکی رشتہ داروں سے خالی آسامیاں پُر کرلی جاتی تھیں۔ جو سپاہی میدانِ جنگ میں مرجاتے تھے یا زخمی ہو جاتے تھے ان کو "دھرمارتھ" پنشن کا معاوضہ دیا جاتا تھا۔

باقاعدہ فوج کے علاوہ بے قاعدہ رسالہ بھی تھا جو ان سپاہیوں پر مشتمل تھا جن کو "گھوڑ چڑھے" فوجی کہا جاتا تھا ان سواروں کو اپنی حفاظت خود کرنی پڑتی تھی ان کو گروپوں اور پھر چھوٹے گروپوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ رسالہ کے سپاہی کی تنخواہ اور بھتہ اس کے گھوڑے کی حالت کے مطابق دیا جاتا تھا۔ ضرورت کے وقت جاگیردار کے دستے کمک فراہم کیا کرتے تھے لیکن ان دستوں کو مقابلتاً غیر اہم کاموں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ پیدل فوج کے سپاہی کی تنخواہ سات روپے ماہوار سے کچھ ہی اوپر تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کے اسکیل کے مقابلہ میں یہ تنخواہ بری نہیں تھی۔

یہ معاوضہ جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے باقاعدگی سے تقسیم نہیں کیے جاتے تھے۔ ایک دفعہ گورکھا بٹالین تنخواہ کی بقایا رقم کے معاملہ پر اتنی برہم ہوگئی کہ رنجیت سنگھ کو بھی ان کے غم و غصّہ کے خلاف گووند گڑھ میں جاکر پناہ لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد سپاہیوں کی تعداد اور تنخواہ بڑھادی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج ریاست کی مالیات پر بھاری بوجھ بن گئی۔ سر لیپل گرفن کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۸۳۹ میں مسلح فوجوں کے سپاہیوں کی کل تعداد ۲۹۱۶۸ تھی اور توپیں ۱۹۲ تھیں ان پر ہر مہینہ ۲۸۲۰۰۸ روپے خرچ آتا تھا۔ لیکن ان کے مقابلہ میں ۱۸۴۵ کے اعداد و شمار یہ تھے۔ سپاہیوں کی تعداد ۷۲۳۷۰، توپوں کی تعداد ۳۸۱ اور خرچہ ۸۵۲۶۹۶۔

www.taemeernews.com

یورپین افسر

رنجیت سنگھ کے لیے جو یورپی افسر کام کرتے تھے ان کی تعداد کے بارے میں مختلف اندازے پائے جاتے ہیں ان کی تعداد ۲۰ سے ۴۲ کے درمیان تھی۔ ان میں سب سے زیادہ ممتاز فی الواقع وینتورا اور ایلارڈ تھے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ رنجیت سنگھ نے ایک عرصہ سے یہ بات سوچ رکھی تھی کہ فوجیوں کو یورپین طرز پر تربیت دینا چاہیے۔ ایک موقع پر انھوں نے بھیس بدل کر لارڈ لیک کی فوج کی پریڈ دیکھی تھی۔ ان دو یورپین افسروں نے یہ کام کیا کہ پہلے سے سوچی سمجھی اور مہاراجہ کی طرف سے جزوی طور پر رائج کی گئی اسکیم پر عمل درآمد کیا۔

لاہور میں ان دو فرانسیسیوں کی آمد اور مہاراجہ کی ملازمت اختیار کرنے سے متعلق کہانی بہت ہی دلچسپ ہے۔ وہ ۱۸۲۲ کے اوائل میں آئے۔ رنجیت سنگھ سے ملاقات کے دوران انھوں نے اس امر کی وضاحت کی کہ وہ یورپ کے فوجی تھے اور وہ یورپ اور ایشیا کی مسافت طے کرنے کے بعد لاہور پہنچے تھے۔ وہ ملازمت کی تلاش میں نہیں ہیں اور قسمت ان کو جہاں لے جائے گی چلے جائیں گے۔ جب مہاراجہ نے ان سے کہا کہ وہ ایک بٹالین کو نقل و حرکت کرنا سکھائیں تو انھوں نے کہا کہ وہ اناڑی رنگروٹوں کو تربیت دینے کو ترجیح دیں گے اور وہ یہ کام مفت کریں گے لیکن باقاعدہ ملازمت کے لیے ان کی شرائط یہ ہوں گی — ہر ایک کو روزانہ دس دس طلائی مہریں — اور گھوڑے اور ملازم رکھنے کا خرچہ وہ نہیں دیں گے — دو مہینے کی نگرانی اور آزمائش نے رنجیت سنگھ کو اس بات کا قائل کر دیا کہ وہ دھوکہ باز نہیں تھے اور وہ واقعی نپولین بوناپارٹ کی فوج میں رہ چکے تھے۔ انھوں نے ان کی شرائط مان

www.taemeernews.com

لیں۔ جین فرینکائے الارڈ کو رسالہ کے لیے اور جین بیتیپت دنتورا کو پیدل فوج کے لیے مقرر کیا گیا۔ اول الذکر نے رسالے کی سواری کی کور کھڑی کی اور مؤخرالذکر کو فوجِ خاص کا کمانڈر بنا یا گیا۔

الارڈ

دونوں فرانسیسیوں میں سے الارڈ مہاراجہ کے کافی قریب ہوگیا اور وہ اپنے آقا کا بہت احترام کیا کرتا تھا۔ پیرس میں چھٹی کے دوران وہ فرانس کے بادشاہ (لوئی فلپ) سے ملا اور اس نے اسے رنجیت سنگھ کا تہنیتی پیغام دیا۔ بادشاہ نے اس پیغام کا جواب دیا۔ اور مہاراجہ کو ایک دوستانہ خط لکھا اور ان کے لیے ہتھیاروں کا ایک بکس بھیجا۔ رنجیت سنگھ اس پیش قدمی پر خوش ہوا اور اس نے الارڈ کو انعام دیا جب اس جرنیل کا انتقال پشاور میں ۱۸۳۹ میں دل کی بیماری کا دورہ پڑنے سے ہوا تو اس کی نعش تدفین کے لیے لاہور لائی گئی۔ اس نے ایک کشمیرن سے شادی کرلی تھی۔

دنتورا

رنجیت سنگھ دنتورا کی قابلیت کا بہت احترام کرتے تھے یہ جرنیل فوجِ خاص کا کمانڈر تھا۔ اس نے بہت سی مہمات میں خاص طور پر پہاڑوں میں کارنامے سرانجام دیئے تھے ایک دفعہ اسے لاہور کا قاضی اور گورنر بنایا گیا۔ چند سال پہلے جب وہ لدھیانہ میں رہنے والی آرمینیا کی ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا تو مہاراجہ نے اس جوڑے کو قیمتی تحائف سے لاد دیا تھا۔ بہرکیف جرنیل نے بہت سی کشمیری اور پنجابی

www.taemeernews.com

عورتیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ اور جب وہ پیرس چلا گیا تو نہ صرف ان عورتوں بلکہ اپنی بیوی کو بھی چھوڑ گیا۔

اویتابلے

پائیلوڈی اویتابلے ایک اطالوی تھا جو بہت ہی اہم عہدوں پر جا پہنچا تھا۔ وہ ایک اکھڑ سپاہی تھا اور عام فوجیوں میں سے ابھرا تھا۔ رنجیت سنگھ نے اس کی خوبی کو پہچان لیا تھا۔ انھوں نے اسے پانچ ہزار روپے ماہوار دینے کے علاوہ بڑی بڑی جاگیریں بھی دیں۔ لیکن اویتابلے بہت ذوق کا آدمی تھا ایک منتظم کی حیثیت سے وہ بہت سنگدل تھا۔ پشاور کا گورنر مقرر ہونے پر غنڈوں اور ڈاکوؤں کو پھانسی دے کر اور جھوٹوں اور چغلخوروں کی زبان کاٹ کر جس انداز سے اس نے پٹھان قبائل کو سرنگوں کیا اس نے صرف چھ مہینے کے اندر شہر کو تمام جرائم سے چھٹکارا دلا دیا۔

ہنری کورٹ

اویتابلے کے ہمسفر فرانسیسی باشندے ہنری کورٹ کو بھی اس وقت ملازمت ملی تھی جب اویتابلے کو ملی تھی۔ لیکن اس کی فطرت مختلف تھی اور اس نے مختلف ڈھنگ سے پرورش پائی تھی۔ وہ ایک اچھے خاندان کا فرد تھا اور اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکا تھا وہ بہت شائستہ تھا جبکہ اویتابلے اکھڑ تھا۔ اویتابلے کو جتنی تنخواہ ملتی تھی ہنری کورٹ کو اس سے نصف تنخواہ ملتی تھی۔ وہ ایک نامور سپاہی تھا اور ایک اچھا عالم تھا۔ درحقیقت وہ شاہی جغرافیائی سوسائٹی کا رکن تھا۔ وہ رنجیت سنگھ کی بہت سی توپیں

www.taemeernews.com

ڈھالنے کا ذمہ دار تھا۔ لیکن وہ ہندوستانی حرم کے لیے اپنے رفیق کا سا رجحان رکھتا تھا۔ جب وہ ۱۸۴۵ میں پنجاب سے روانہ ہوا تو اس کے پاس بہت دولت تھی۔

یہاں یہ بتانا مناسب ہوگا کہ جب الارڈ اور ونتورا کو پہلے پہلے ملازم رکھا گیا تو ان کو عام طور پر شک اور بے اعتمادی کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ گورکھا بٹالین کا کمانڈر تو اس حد تک تجاوز کر گیا (جس کی وردی کا نمونہ ونتورا نے تیار کیا تھا) کہ اس نے مہاراجہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ جب مہاراجہ نے اس سے یہ کہا تھا کہ وہ فرانسیسی کا حکم مانے۔ رنجیت سنگھ بھی اس شک و شبہ سے بری نہیں تھے کہ چند یورپین برطانوی جاسوس ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسٹ انڈیا کمپنی سے لڑائی ہوئی تو وہ اس کے وفادار نہیں رہیں گے۔ وقت گزرنے پر الارڈ اور ونتورا کے کردار نے یورپینوں کے خلاف رنجیت سنگھ کا تعصب دور کر دیا۔ لیکن اس بات سے انکار کرنا بے کار ثابت ہوگا کہ ان فرنگیوں کو جو جاگیریں دی گئیں تھیں وہ سکھ سرداروں اور پنجابی جرنیلوں کے دلوں میں پھانس کی طرح کھٹکتی رہی تھیں بہرحال مہاراجہ نے ان کو ترغیب دے کر کہ ان کی بیویاں ہندوستانی ہونی چاہئیں۔ وہ گائے کا گوشت نہ کھائیں اور سکھوں کے لیے مقرر کیے گئے پانچ احکام یا ہدایات کی پابندی کریں۔ ان کو "پنجابیانے" کی کوشش کی۔

www.taemeernews.com

نواں باب

شہری نظم و نسق

برسرِ اقتدار آنے کے بعد رنجیت سنگھ کافی عرصہ تک جنگ اور سفارتی معاملات میں اس قدر مصروف رہے کہ انھیں شہری نظم و نسق کو منظم کرنے کا موقع نہ ملا۔ تاہم محکمۂ مالیات وہاں موجود تھا جو ان کی مہمات کے لیے وسائل اور مصارف فراہم کرتا تھا۔ وقت گزرنے پر خزانہ متعدد سررشتوں یا محکموں میں پھیل گیا۔ دستاویزات کو مستند قرار دینے کے لیے ہر سررشتہ کی ایک خاص مہر ہوتی تھی۔ ان میں سے چند شعبوں کے نام اس کے انچارج افسر کے نام پر رکھے گئے تھے۔ مثلاً دفتر دیوی داس یا سررشتہ بھوانی داس۔ ایسے تقریباً ایک درجن محکمے تھے جو نظم و نسق کے مختلف شعبوں کا کام نپٹاتے تھے۔ جن دستاویزات پر ہجری یعنی مسلم عہد کی تاریخیں درج تھیں ان کو ۱۸۰۷ کے بعد وکرمی سموت کی تاریخوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

یہ بات دلچسپی کی حامل ہوگی کہ پہلے ایک طویل اور ہیر پھیر کا عمل شروع ہوتا تھا۔ اس کے بعد ادائیگی کے حکم کی تعمیل کی جاتی تھی۔ منشی جو ہمیشہ بادشاہ کے سامنے حاضر رہتے تھے اور ان کو براہِ راست طور پر جو حکم دیا جاتا تھا یا نامہ نگار کی وساطت سے پہنچایا جاتا تھا اسے وہ فوراً لکھ لیا کرتے تھے۔ رنجیت سنگھ پنجابی میں بولتے تھے اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کرتے تھے کہ رقم "کسر" یا کٹوتی کے بعد ادا کی جانی چاہیے

www.taemeernews.com

یا نہیں۔ ادائیگی کا حکم فارسی میں لکھا جاتا تھا جس میں بھیجنے والے کا نام اور پتہ درج ہوتا تھا۔ اس میں روپے کی تقسیم کی تفصیلات بھی ہوتی تھیں ان اشخاص کے نام ہوتے تھے جن کو ایک خاص رقم ادا کرنی ہوتی تھی۔ اس شخص کا نام بھی جس کی وساطت سے روپیہ بھیجنا ہوتا تھا اور اس شخص کا نام یا اُن اشخاص کے نام جنھوں نے مہاراجہ کے احکام سے منشیوں کو مطلع کیا تھا اور جنھوں نے پروانہ پر دفتر کی مہر لگائی تھی۔

جب دستاویزات مکمل ہو جاتی تھی تو اس کے بعد اسے منظوری کے لیے مہاراجہ کے پاس واپس بھیج دیا جاتا تھا۔ اگرچہ رنجیت سنگھ اَن پڑھ تھے لیکن ان کو عام طور پر فارسی زبان میں جو کچھ پڑھ کر سنایا جاتا تھا وہ سمجھ لیتے تھے۔ ان کی منظوری کو دو نئی مہروں سے قطعی صورت دے دی جاتی تھی۔ ایک مہر فارسی کی ہوتی تھی اور دوسری پنجابی کی۔ دونوں کو حکم نامے پر لگا دیا جاتا تھا۔ اب پروانہ مختلف دفتروں کے چکر کاٹنا شروع کرتا تھا۔ ہر دفتر اس کی جانچ کرتا تھا اور نئی مہر لگا دیتا تھا "نقل دفتر" میں اس کی لفظ بہ لفظ نقل کی جاتی تھی اور کاغذ کے پیچھے یہ لکھ دیا جاتا تھا کہ اس کی نقل ہو چکی ہے۔ اس کاغذ کا سفر توشہ خانہ میں جاکر ختم ہوتا تھا جہاں اسے فائل میں ٹانک دیا جاتا تھا اور رقم ادا کر دی جاتی تھی۔

وقت گزرنے پر متعدد "سررشتوں" اور دفتروں کو اس سلسلے سے نکال دیا گیا۔ اور رنجیت سنگھ کی حکومت کے خاتمہ کے نزدیک دستاویز کو مستند رنگ دینے کے لیے صرف ایک ہی مہر رہ گئی۔

مالی انتظام

تمام حکومت مہاراجہ کے ہاتھوں میں مرکوز تھی جن کی مدد ایک بڑا وزیر، ایک وزیرِ خزانہ، ایک وزیرِ خارجہ اور مختلف شعبوں کے ناظم اور دیگر افسران کیا کرتے

www.taemeernews.com

تھے۔ ان کا اول خزانچی راماننداتھا جو امرتسر کا ساہوکار تھا اور اس کی محنت کا معاوضہ یوں دیا جاتا تھا کہ اس کے شہر میں محصول کی آمدنی اسے ملتی تھی اور پنڈ دادن خاں میں اس کی نمک کی کانیں تھیں۔ بھوانی داس کی آمد پر ریاستی خزانہ کو ۱۸۰۸ میں مناسب ڈھنگ سے منظم کیا گیا۔ اس محکمہ کو متعدد دفتروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مالیہ کی وصولی میں زمین سے ہونے والی آمدنی، نذرانے، ضبط شدہ اشیا، ایکسائز، رجسٹریشن، کسٹم اور ترسیلی ڈیوٹیاں شامل ہوتی تھیں۔ افسر آمدنی اور خرچ کے جو حسابات بنا کر بھیجتے تھے ایک شاخ ان کو نپٹاتی تھی اور دوسری شاہی گھرانے کے حسابات کو نپٹاتی تھی۔

رقم کی تقسیم کے نظام میں کوئی نقص نہیں تھا۔ لیکن آمدنی درج کرنے کا نظام قابلِ اعتماد نہیں تھا۔ حسابات کی پڑتال کی کمی غبن میں مدد دیتی تھی۔ رنجیت سنگھ اس بات کو جانتے ہوئے بعض اوقات موٹے طریقے سے اور اسی وقت حسابات کا تصفیہ کر دیا کرتے تھے اور اپنے بدعنوان یا منحرف افسروں سے یہ مطالبہ کیا کرتے تھے کہ وہ انھیں فیس ادا کریں۔ حکم کی تعمیل نہ ہونے پر مہاراجہ ان کی جاگیریں ضبط کر لیا کرتے تھے۔

ٹیکس

زمین پر سکھوں کا ٹیکس ذرا زیادہ تھا۔ مجموعی پیداوار کے ۲/۵ اور ایک تہائی حصے کے درمیان رہتا تھا۔ ایکسائز اور کسٹم سے بہت آمدنی ہوتی تھی۔ کسٹم کئی جگہوں پر اکٹھا کیا جاتا تھا۔ اسٹین باپچ کے الفاظ میں "مہاراجہ کے ٹیکس ہر چیز، ہر بستی، ہر رہگذر

www.taemeernews.com

عام، ہر قصبہ اور گاؤں، ہر جگہ فروخت ہونے والی شے درآمد شدہ یا برآمد شدہ، گھریلو یا غیر ملکی شے کو اپنے قبضہ میں لیے ہوئے تھے۔" لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان مبالغہ آمیز ہے — بہرحال مہاراجہ کی حکومت ضرورت کے وقت لوگوں کی فراخدلی سے مدد بھی کیا کرتی تھی۔ قحط سالی کے دوران اناج بوائی کے لیے اور گذر بسر کے لیے تقسیم کیا جاتا تھا۔ جب فوج کھیتوں سے گزرتی تو مالیہ یا کرایہ معاف کر دیا جاتا تھا۔ مہاراجہ اس بات کی خاص احتیاط کرتے تھے کہ بے قاعدہ رسالہ فصلوں کو خراب نہ کرنے پائے۔ فوجی زندگی روزگار کے وافر مواقع فراہم کرتی تھی اور سپاہی اپنی بچت کی رقم گھر بھیجا کرتے تھے۔

مقامی حکومت

رنجیت سنگھ کا پنجاب چار صوبوں میں منقسم تھا۔ لاہور، ملتان، کشمیر اور پشاور۔ چند پہاڑی ریاستیں مہاراجہ کو سالانہ خراج ادا کرتی تھیں۔ ایک صوبے کو "پرگنوں" میں تقسیم کیا جاتا تھا اور ہر پرگنہ کو "تعلقوں" میں اور ہر تعلقہ کو ۵۰ سے ۱۰۰ تک مواضع یا دیہات میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ یعنی مغلوں کے طریقۂ کار کی پیروی کی جاتی تھی۔ صوبے کا نظام ایک ناظم یا گورنر کے سپرد ہوتا تھا۔ "اور کاردار" اس کی مدد کیا کرتے تھے۔ ایک تعلقے کا ایک کاردار ہوتا تھا۔ ان میں سے بعض افسروں کا دربار میں بڑا رسوخ ہوتا تھا لہٰذا وہ اپنے اپنے علاقوں میں بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ ٹیکس جمع کرنے والوں کی تنخواہیں مختلف ہوتی تھیں لیکن وہ جانتے تھے کہ "انھیں اپنی نوکریوں کی بالائی آمدنی پر زندہ رہنا ہے۔"

کارداروں کا چونکہ لوگوں سے نزدیکی رابطہ قائم ہوتا تھا اس لیے ان کو اس حساب

www.taemeernews.com

سے نیک نامی یا بدنامی ملتی تھی کہ وہ لوگوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں یا بُرا۔ وہ مالی اور عدالتی افسر ہوا کرتے تھے یعنی مالیہ جمع کرتے تھے۔ جج اور مجسٹریٹ ہوتے تھے۔ ایکسائز اور کسٹم کے حکام ہوتے تھے اور حکومت کی جانب سے عام نگران ہوتے تھے۔ بارنس کی رائے کے مطابق کارداری پالیسی عام طور پر یہ ہوتی تھی کہ "زمین کے کاشتکار کے پاس اس کی گزر بسر کے سوا باقی کچھ نہ رہنے دے"۔ افسر اس مرغی کو ذبح نہیں کرنا چاہتے تھے جو سونے کا انڈا دیتی تھی لیکن وہ جہاں تک ممکن ہوتا اس کے پر نوچ لیتے تھے"۔

بہرکیف چند مصنفین نے انگریزوں کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے جو بعض کارداروں اور ناظموں کے برتاؤ کی تعریف کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ "اُن کے اقدامات کسان عوام کے لیے نعمت کے مترادف تھے"۔

عدالتی نظام

رنجیت سنگھ کے عہد میں تحریری قوانین موجود نہیں تھے اور رواج کی بنیادوں پر عدل و انصاف کیا جاتا تھا۔ "دیوانی" اور "فوجداری" مقدمات کے لیے مختلف طریقے نہیں تھے بلکہ دونوں کے لیے طریق کار سادہ اور سیدھا تھا۔ پنچایتیں دیہات کے جھگڑے نپٹاتی تھیں کاردار فیصلوں پر نظرِ ثانی کر سکتے تھے۔ زمین، ورثے اور مالیہ کے جھگڑے براہِ راست طور پر ان حکام کے پاس پہنچتے تھے۔ بہرکیف افسروں کا ایک ایسا مجموعہ بھی ہوتا تھا جسے "عدالتی" کہا جاتا تھا اور وہ صرف عدالتی کام ہی کیا کرتے تھے۔ چند مصنفین عدالتِ عالیہ یا ہائیکورٹ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ جہاں اپیل دائر کی جا سکتی تھی۔ وزراء کو یہ اختیار ہوتا تھا کہ وہ اپنے اپنے محکموں کے مقدمات کا فیصلہ کر سکتے ہیں مہاراجہ ان عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کے لیے مطلق الحکم کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ بہت زیادہ دورے

www.taemeernews.com

کیا کرتے تھے اور جب ان کی توجہ مبذول کرائی جاتی تھی تو وہ ان فیصلوں کا جائزہ لیا کرتے تھے۔

مہاراجہ کی حکومت مقدمہ جیتنے والے فریق پر فیس عائد کرتی تھی اور اس فریق سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ "شکرانہ" بھی ادا کرے گا اگر کسی دیوانی جھگڑے میں مقدمہ قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ تو شکایت کنندہ یا مدعا علیہ پر جرمانہ کیا جاتا تھا کہ اس نے "عدالت" کا وقت ضائع کیا ہے۔ قید کی صورت میں کوئی سزا دینا جائز نہیں تھا تمام مقدمات میں جرمانے کیے جاتے تھے۔ اس طرح عدل و انصاف کا انتظام حکومت کے لیے وافر آمدنی کا ذریعہ تھا یہ عدالتی نظام چونکہ خام اور سادہ تھا اس لیے وہ ان ایام کے پنجاب کے لیے موزوں تھا۔ اس بات کی مسلسل جانچ پڑتال کی جاتی تھی کہ کوئی اپنے اختیار کا ناجائز استعمال نہ کرنے پائے۔ مہاراجہ کے دو طریقے یہ تھے مہاراجہ اچانک دورے پر چلے جاتے تھے اور ظالموں سے اپنے خاص طریقہ پر نپٹتے تھے۔

www.taemeernews.com

دسواں باب

مہاراجہ کی بیویاں اور خاندان

اپنے جیسی دوسری عظیم فوجی شخصیتوں کی طرح رنجیت سنگھ میں بھی نسوانی حسن وجمال کے لیے کمزوری پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی میں بھاری تعداد میں عورتیں آئیں۔ بہت سی عورتیں تو "زنانہ" کی رکن تھیں اور چند اس سے باہر تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ دلیپ سنگھ نے ۱۸۸۹ء میں فرانسیسی اخبار کو یہ اطلاع دی کہ "میں اپنے والد کی ۴۶ بیویوں کا بیٹا ہوں"۔ چند مورخوں کے نزدیک یہ تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ رنجیت سنگھ نے متعدد شادیاں جائز یا رسمی طور پر کیں اور چند عورتوں سے سماجی روایت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تعلقات قائم کیے۔ جو لوگ رنجیت سنگھ پر یہ نکتہ چینی کرتے ہیں کہ وہ وسیع پیمانہ پر جنسی زندگی بسر کرتے تھے انھیں اس زمانہ کو نہیں بھولنا چاہیئے جس میں وہ سانس لیتے تھے یا ان معاملات میں راجوں اور نوابوں کی جانب سماج کے عام رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ عورت کی عفت مآبی کا پہلو اپنے اس محدود مفہوم میں ذرا کمزور ہوا کرتا تھا۔ خاص طور پر جب کہ سرپرست ایک حکمراں سردار ہو۔ اس سے تعلق فخر وناز اور وقار کا معاملہ بن جاتا تھا۔ اس طرح چند عورتیں رنجیت سنگھ کی بیویاں تھیں شادی کے ذریعہ یا "چادر اندازی" کے ذریعہ۔ دیگر چند

www.taemeernews.com

عورتیں ان کی داشتائیں تھیں جن کو وہ اپنی پسند سے حرم یا "زنانہ" میں لے آتے تھے۔ ذیل میں ان کی مکمل فہرست درج کی جاتی ہے۔

مہتاب کور

شادی شدہ بیویوں میں مہتاب کور کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔ اس رشتہ نے جس کا انتظام رنجیت سنگھ کے بزرگوں نے کیا تھا ان کو سکرچکیوں اور کنھیوں کے درمیان اتحاد کے باعث قیادت کرنے والی پوزیشن عطا کی۔ مہتاب کور کی ماں سدا کور اس لحاظ سے حیرت انگیز اور عظیم الشان عورت تھی کہ وہ اپنی مثل کی سربراہ تھی اور اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے ایک رہنما کی حیثیت رکھتی تھی۔ مہتاب کور کی شادی ۱۷۹۲ء میں ہوئی اور اس نے ۱۸۱۳ء میں وفات پائی۔

راج کور

نکئے سردار رام سنگھ کی بیٹی کی شادی رنجیت سنگھ سے ۱۷۹۶ء میں ہوئی اور اطلاعات کے مطابق وہ مہاراجہ کی محبوب ترین بیوی تھی۔ وہ ان سے محبت اور مفاہمت کے ساتھ پیش آتی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کسی بھی دوسری عورت کی نسبت مہاراجہ کے زیادہ نزدیک تھی۔ ۱۸۰۲ء میں اس کے یہاں کھڑک سنگھ نے جنم لیا جو اپنے والد کی موت کے بعد مہاراجہ بنا۔ راج کور کا انتقال ۱۸۳۸ء میں ہوا۔

www.taemeernews.com

بی بی موراں

۱۸۰۵ء میں جب کھڑک سنگھ کی سگائی جو اس وقت تین برس کا بچہ تھا کنھیا سردار کی ننھی بچی سے ہوئی تو اس موقع پر بھاری جشن منایا گیا مہاراجہ ایک ناچ پارٹی میں شامل نوعمر رقاصہ پر فریفتہ ہوگیا جس کا نام موراں تھا اسے بہت جلد ان کے حرم میں منتقل کر دیا گیا۔ اور وہاں وہ ان کی محبوب ترین داشتہ بن گئی۔ اصل میں اسے پردے سے نفرت تھی اس لیے وہ اکثر مہاراجہ کی معیت میں منظرِ عام پر دیکھی جاتی تھی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ رنجیت سنگھ نے اس کے اعزاز میں ایک سکہ ڈھلوایا تھا جسے آرسی والا سکہ" کہا جاتا تھا اس پر ایک مور کی تصویر تھی چونکہ "موراں" پنجابی میں لفظ مور کی جمع ہے یہ رقاصہ خاص طور پر "مور ناچ" ناچنے میں کمال رکھتی تھی۔ مٹکاف نے ایک موقعہ پر مہاراجہ کی بے چینی کی وجہ یہ بتائی کہ وہ بیتابیِ دل کی وجہ سے مجبور ہو کر امرتسر جانے کے لیے بے قرار تھے تاکہ اپنی محبوب ترین بیوی موراں کو دیکھ سکیں موہن لال کے بیان کے مطابق رنجیت سنگھ نے ایک مرتبہ یہ اعتراف کیا تھا کہ وہ ایک لمحہ کے لیے موراں کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے۔ ایک دفعہ موراں ان کے ہمراہ ہندوؤں کے تیرتھ ہردوار بھی گئی ہولی کے موقعہ پر وہ ہاتھی پر ان کے ساتھ بیٹھا کرتی تھی۔

گل بیگم

موراں کے علاوہ رنجیت سنگھ کی دیگر متعدد مسلمان رانیاں اور داشتائیں تھیں ان میں ایک امرتسر کی ڈیرے دار گل بہار بیگم تھی جس سے انھوں نے بڑے تزک و

www.taemeernews.com

اختشام سے ۱۸۳۲ء میں شادی کی تمام مذہبی رسوم کی پیروی کی گئی۔ رنجیت سنگھ اپنے اس گناہ کو بخشوانے کے لیے دربار صاحب میں پاٹھ کرنے گئے۔ موراں کی طرح گل بیگم بھی مہاراجہ کے ہمراہ سواری کیا کرتی تھیں اور کئی سال تک وہ ان پر چھائی رہی۔
دیگر مسلمان رانیوں کے نام یہ ہیں:- جند کلاں، تائیو، جنت بی بی اور گوبے۔

رانی جنداں

کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ کی ملازمت میں سگ خانہ کے محافظ منا سنگھ کی بیٹی جند کور نے اپنے رقص سے اور اپنی نقالی کے کارناموں سے رنجیت سنگھ کی توجہ اپنی طرف مبذول کی اور اسے زنانہ میں لے جایا گیا۔ وہ دلیپ سنگھ کی ماں تھی جو بعد کے برسوں میں گدی پر بیٹھا۔

تذکروں میں جن دیگر چند رانیوں کے نام ملتے ہیں وہ یہ ہیں:- رتن کور، اور دیا کور جو گجرات کی بھنگی سردار کی بیوائیں تھیں۔ پہلی شہزادہ ملتانہ سنگھ کی ماں تھی اور مؤخرالذکر شہزادہ کشمیرا سنگھ اور پشورا سنگھ کی ماں تھی۔ (یہ نام اس نام کے علاقوں پر رنجیت سنگھ کے قبضہ کی یادگار منانے کے لیے دیئے گئے تھے) چاند کور، لچھمی، روپ کور، مہتاب دیوی اور راج بنویہ دونوں کانگڑا کے راجہ سنسار چند کٹوچ کی بیٹیاں تھیں۔ راج دیوی، ہر دیوی، دیو نو، رام دیوی، رانی دیوی، سمن کور، گلاب کور، بنت دنو

کھڑک سنگھ

کھڑک سنگھ ۱۸۰۰ء میں مہارانی کور کے ہاں پیدا ہوا اگلے سال رنجیت سنگھ

www.taemeernews.com

نے بیساکھی پر ایک رسمی تقریب میں اسے ولی عہد شہزادہ بنا دیا۔ ننھے بچے کے ماتھے پر تلک لگا کر اور ہاتھی کی پیٹھ پر سوار کر کے لاہور کے بازاروں میں لے جایا گیا لوگوں نے اس پر سکے نچھاور کیے آتش بازی چھوڑی گئی اور رات کو چراغاں کیا گیا۔ ابھی اس لڑکے کی عمر تین برس کی تھی کہ اس کی سگائی کنھیا جیمل سنگھ کی ننھی بچی سے کر دی گئی۔ ۱۸۱۲ء میں مہاراجہ نے اس عظیم الشان شادی کا انتظام کیا۔ برات ضلع گورداسپور میں فتح گڑھ گئی شہزادے نے ملتان، کشمیر اور مرادس کے خلاف اپنے والد کی مہمات میں حصہ لیا۔ جب رنجیت سنگھ بستر مرگ پر تھا کھڑک سنگھ مہاراجہ بنا۔ راجہ دھیان سنگھ اس کا وزیر تھا کہا جاتا ہے کہ وزیر اعظم نے خود اپنے آقا کے خلاف ریشہ دوانیوں سے کام لیا اور یہ افواہ پھیلائی کہ مہاراجہ انگریزوں سے ملا ہوا ہے اور اسطرح کھڑک سنگھ اور اس کے بیٹے نونہال سنگھ میں اختلافات پیدا کیے۔ مہاراجہ کو دھیرے دھیرے زہر دیا گیا اور وہ ۵ نومبر ۱۸۴۰ کو چل بسا۔

اگرچہ کھڑک سنگھ سرداروں کے درمیان اپنے حامی اور مددگار رکھتا تھا مگر اس نے اپنے والد کے اوصاف اور اس کی عظمت بہت کم ورثہ میں پائی تھی۔ وہ اپنے ہمعصروں کی زیادہ تعریف و توصیف نہ کر سکا۔ اس نے اپنے والد کی جانب سے چند فوجی مہمات میں حصہ لیا تھا مگر وہ قائد بننے کے قابل نہیں تھا۔ وہ سادہ لوح تھا اور ذہنی طور پر کاہل اور آرام طلب تھا۔ اس نے اپنی ریاست کا انتظام بھائیا رام سنگھ جمعدار خوشحال سنگھ کے بھائی پر چھوڑ دیا تھا۔ رنجیت سنگھ یہ چاہتا تھا کہ وہ جاگیر کی دیکھ بھال میں زیادہ دلچسپی لے۔ چونکہ اس کے پاس یہ اطلاعات پہنچی تھیں کہ منیجر نے مال غبن کیا ہے ۱۸۱۶ء میں وہ رام سنگھ کی گرفتاری کا حکم صادر کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اور انھوں نے کھڑک سنگھ کو بتایا کہ وہ اس کی جگہ کوئی ذہین اور قابلِ اعتماد شخص تلاش کرے۔ لیکن جلد ہی وہی پہلا نظام پھر جاری ہو گیا۔

ایک اور اطلاع کے مطابق کھڑک سنگھ دنیاوی خواہشات کی جستجو کے بجائے پوجا

www.taemeernews.com

پاٹھ اور پاکباز لوگوں کی صحبت میں زیادہ دلچسپی لیتا تھا۔ شاید اس میں کسی تارک الدنیا بزرگ کی سیرت کا نقش موجود تھا۔

نونہال سنگھ

کھڑک سنگھ کا بیٹا نونہال سنگھ ۲۲ فروری ۱۸۲۲ء کو پیدا ہوا تھا۔ رنجیت سنگھ اس قدر خوش ہوا تھا کہ اس نے سونے کے کھمبوں کا ایک خیمہ نصب کرایا تھا تاکہ وہ اس میں مبارک باد دینے کے لیے آنے والے امراء کا خیر مقدم کر سکے ۱۸۳۷ء میں اس نے اپنے پوتے کی شادی بڑے دھوم دھام سے کی۔ نونہال سنگھ کو راجہ دھیان سنگھ نے ان کے والد مہاراجہ کھڑک سنگھ کے خلاف کر دیا تھا اور وہ کھڑک سنگھ کے انتم سنسکار کے دن ہی چل بسا۔ جب وہ اپنے والد کو چتا کی آگ کے سپرد کر کے واپس آ رہا تھا تو ایک محراب اس پر آ گری۔ کہا جاتا ہے کہ اس حادثہ کا انتظام دھیان سنگھ نے کیا تھا اور اس نے یہ انتظام بھی کیا تھا کہ نونہال سنگھ کو فوراً ایک پالکی میں لے جایا گیا اور کہا جاتا ہے کہ وہاں نوعمر شہزادے کو مار ڈالا گیا۔

شیر سنگھ

وہ مہتاب کور کے جڑواں بیٹوں اور سدا کور کے نواسوں میں سے تھا۔ سدا کور کو رنجیت سنگھ نے اس کی دشمنی کے باعث بعد میں نظر بند کر دیا تھا۔ سدا کور کو اور دو لڑکوں کو جان بوجھ کر کھڑک سنگھ کی شادی سے الگ کر رکھا گیا تھا۔ لیکن ایک ایسا وقت بھی آیا کہ شیر سنگھ رنجیت سنگھ کا منظورِ نظر بن گیا۔ اور کھڑک سنگھ مہاراجہ کی نظروں

www.taemeernews.com

میں گر گیا۔

کھڑک اور نونہال سنگھ کی موت کے بعد شیر سنگھ لاہور آیا۔ دریں اثنا رکھڑک سنگھ کی بیوہ نے گدی پر دعویٰ کیا اور شیر سنگھ واپس مکریاں چلا آیا ۱۸۴۲ء میں وہ کچھ عرصہ کے لیے مہاراجہ بنا اور وہ دھیان سنگھ سے نجات حاصل کرنے کے لیے منصوبے باندھ رہا تھا کہ اُسے اجیت سنگھ سندھاں والیہ نے ۱۵ ستمبر ۱۸۴۳ء کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اسی دن دھیان سنگھ کا بھی یہی انجام ہوا۔

دلیپ سنگھ

رنجیت سنگھ کا ساتواں بیٹا دلیپ سنگھ ۱۸۳۸ء میں رانی جنداں کے یہاں پیدا ہوا۔ وہ ابھی چھ برس کا تھا کہ اسے ایک فرمان کے ذریعہ سے شیر سنگھ کی موت پر مہاراجہ بنا دیا گیا۔ اس کی ماں اس کی نگراں بنی اور دھیان سنگھ کا بیٹا ہیرا سنگھ اس کا وزیر بنا۔ نئے حکمراں کے سوتیلے بھائیوں کشمیر اسنگھ اور پشورا سنگھ نے اس کے خلاف بغاوت کی جسے فرو کر دیا گیا۔ ہیرا سنگھ اور اس کا مشیر پنڈت جلاہ چونکہ بے حد متکبر تھا اس لیے خالصہ فوج نے انھیں ۱۸۴۴ء میں ہلاک کر دیا۔ جنداں کا بھائی جواہر سنگھ اب وزیرِ اعظم تھا۔ اس نے چونکہ شہزادہ پشورا سنگھ کے قتل میں حصہ لیا اس لیے جواہر سنگھ کو ۲۱ ستمبر ۱۸۴۵ء میں موت کی سزا دی گئی۔

لارڈ ڈلہوزی کی ریشہ دوانیوں اور توسیع کی پالیسی کے نتیجہ کے طور پر پنجاب پر بہت جلد انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ جند کور نیپال بھاگ گئی اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کو فتح گڑھ (یوپی) میں لے جایا گیا۔ اور اس نے وہاں ۱۸۵۳ء میں عیسائی مذہب اختیار کر لیا اگلے سال وہ انگلینڈ چلا گیا تاکہ وہاں زندگی کے آخری ایام تک رہ سکے وہ دو بار تھوڑے عرصہ کے لیے ہندوستان آیا۔ ۱۸۶۱ء میں تاکہ اپنی ماں کو اپنے ساتھ لے جا سکے اور پھر ۱۸۶۳ء میں

www.taemeernews.com

تاکہ اس سرزمینِ وطن میں اس کا انتم سنسکار کر سکے۔

تقریباً ۲۳ سال بعد دلیپ سنگھ ہندوستان کے لیے روانہ ہوا کیونکہ برطانوی حکومت سے شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے لیکن اسے عدن میں روک لیا گیا اور اس کو واپس انگلینڈ چلے جانے کا حکم دیا گیا۔ اس مقام پر اپنے مختصر سے قیام میں انھوں نے پھر سکھ دھرم اختیار کر لیا۔ اس نے برِاعظم پر اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے اور ۱۸۹۳ء میں اس نے پیرس میں وفات پائی۔ وہ اپنے پیچھے دو بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑ گیا۔

سداکور

اگرچہ سداکور رنجیت سنگھ کی براہِ راست رشتہ دار نہیں تھی۔ لیکن ان کی عملی زندگی کے ابتدائی سالوں میں اسے اہم ترین مقام حاصل رہا تھا۔ اگرچہ اس کا خاوند لڑائی میں ۱۷۹۱ء میں رنجیت سنگھ کے والد کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ لیکن مقصد نے اس کے دل کا زخم اس حد تک بھلا دیا تھا کہ اس نے اپنی بیٹی مہتاب کور اور نوعمر سکرچکیہ سردار کے درمیان شادی کی تجویز پیش کی۔ اس اتحاد کے بعد وہ مہتاب کور کے ہمراہ گوجرانوالہ آئی تاکہ اس جوڑے کے مفادات کی دیکھ بھال کر سکے۔ اگرچہ اس کی موجودگی دولہا دلھن کی علیحدگی تک میں معاون ہوئی لیکن اس نے رنجیت سنگھ کو قیادت کے لیے تیار کر کے رنجیت سنگھ کی خدمت کی۔ اس نے ان کے عروج میں ہر ممکن مدد کی اور یہ امید رکھی کہ وقت گزرنے پر وہ تخت کے پیچھے موجود طاقت بن جائے گی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ چونکہ ایک عورت تھی اس لیے اگلی صف میں نہیں آ سکتی تھی۔ اس میں اس کی اپنی ایک غرض بھی شامل تھی وہ سمجھتی تھی کہ اگر رنجیت سنگھ اس کے مقصد کی حمایت کرے گا تو وہ کنھیا مثل کی قائم مقام سربراہ بن جائے گی۔ وہ بٹالہ میں قبضہ جما کر بیٹھ گئی — اس کے پاس کافی فوج تھی جو اس کے مقصد

www.taemeernews.com

کو آگے بڑھانے میں اس کی مدد کر سکتی تھی۔

لیکن گوجرانوالہ میں اس کی تدبیریں الٹی ہو گئیں اس نے رنجیت سنگھ کو اپنے اثر و رسوخ کے تحت لانے کی جو کوششیں کیں اس کی وجہ سے سدا کور کے تعلقات رنجیت سنگھ کی والدہ سے کشیدہ رہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں عورتوں کے درمیان تلخ تر جھگڑے ہوئے ۱۷۹۶ء میں اور ۱۷۹۷ء میں شاہِ زماں کے حملوں کی صورت میں ایک مختصر سا وقفہ نمودار ہوا جس نے سدا کور کی عارضی قیادت بحال کر دی۔ اس نے سکھ سرداروں کا حوصلہ بڑھایا کہ وہ رنجیت سنگھ کی قیادت میں افغانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرے لیکن خطرہ ٹل جانے کے بعد ریشہ دوانیاں پھر نمودار ہوئیں اور رنجیت سنگھ نے اپنے ردِ عمل کا اس طرح اظہار کیا کہ اس نے دوسری بار شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے یہ عزم بھی کیا کہ وہ اپنے معاملات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔ سدا کور جلتی بھنتی وہاں سے چلی گئی اور اپنی بیٹی کو بھی ٹالا لے گئی۔ لیکن تقدیر نے پھر اس صورت میں مداخلت کی کہ لاہور کے شہریوں نے رنجیت سنگھ اور سدا کور سے درخواست کی کہ وہ ان کی مدد کریں۔ امرتسر کے ہندوؤں کی اس قسم کی درخواست نے نوعمر سکرچکیہ سردار کو دونوں شہر کا مالک بنا دیا۔

دوسری مہارانی کے یہاں کھڑک سنگھ اور مہتاب کور کے یہاں جڑواں بیٹوں کی پیدائش پر رنجیت سنگھ اور اس کی ساس کے درمیان تعلقات پھر خراب ہو گئے۔ سدا کور چاہتی تھی کہ اس کے نواسوں میں سے ایک جانشین بنے جب وہ اپنے مقصد میں ناکام رہی تو وہ جڑواں بیٹوں کو ٹالا لے گئی۔ اور رنجیت سنگھ کو اپنے نواسوں کی جانب سے مطالبات پیش کر کے پریشان کرتی رہی۔ اگرچہ شہزادہ شیر سنگھ نے دربار میں اپنی اچھی صلاحیت کا اظہار کیا تھا لیکن رنجیت سنگھ نے اپنے بڑے بیٹے کو ولیعہد مقرر کیا۔ انھوں نے جلد ہی انگریزوں کا ساتھ دینے سے متعلق سدا کور کی کوشش کو ناکام بنا دیا اور سدا کور

www.taemeernews.com

کو لاہور میں نظر بند کر دیا۔ اس کی نصف جائیداد اس کے دونوں نواسوں کو عطا کر دی۔ اس نے نظر بندی کی حالت میں وفات پائی۔

www.taemeernews.com

گیارھواں باب

عظیم اور مسرّت آفریں مواقع

۱۸۱۲ء میں شہزادہ کھڑک سنگھ کی شادی نے مٹکاف کے اندازے کو صحیح ثابت کیا کہ یہ ایک نہایت ہی عظیم الشان نمائش ثابت ہوگی۔ جیسی کہ بہت برسوں سے ہندوستان میں ظہور میں نہیں آئی" رنجیت سنگھ نے انگریز گورنر جنرل اور سارے پنجاب کے متعدد شہزادوں اور سرداروں کو دعوت نامے بھجوائے کہ وہ آکر اس شادی میں شرکت کریں۔ اس تقریب میں شامل ہونے کے لیے پٹیالہ، نابھ، جیند، کانگڑا اور کیتھل کے حکمراں اور اس کے ساتھ ساتھ گورنر جنرل کا نمائندہ کرنل اوچترلونی آئے۔ ملتان اور بہاولپور کے نوابوں کو بھی چونکہ موعو کیا گیا تھا اس لیے انھوں نے اپنے خاندانوں کے چند افراد شادی میں شرکت کے لیے بھیجے۔

برات جو چند ہزار افراد پر مشتمل تھی لاہور سے امرتسر کے راستے روانہ ہوئی۔ ہاتھی اونٹ اور گھوڑے اس نقل و حمل کے لیے استعمال کیے گئے۔ گورداسپور کے ضلع میں فتح گڑھ ان کی منزلِ مقصود تھا۔ لامثال بیمانہ پر جشن منائے گئے۔ دولہا کا سسر مہمانوں کی تفریح پر روزآنہ ہزاروں روپے صرف کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اخراجات کے عوض میں رنجیت سنگھ کو ۵۰ ہزار روپے کی رقم دی اور اپنی بیٹی کو بہت سا جہیز دیا۔ مہمانوں کو بھی

www.taemeernews.com

خوب صورت تحفے دیئے گئے۔

نونہال سنگھ کی شادی

۱۸۳۷ء میں سردار شام سنگھ اٹاری والا کی بیٹی کے ساتھ رنجیت سنگھ کے پوتے نونہال سنگھ کی شادی کے موقع پر جو مناظر دیکھنے میں آئے وہ بھی کچھ کم پرشکوہ اور کم شاندار نہ تھے۔ پہلے کی طرح ملک کی مشہور شخصیتوں کو دعوت نامے ارسال کیے گئے اور گورنر جنرل نے کمانڈر ان چیف سر ہنری فین کو ہدایت کی کہ وہ اس تقریب میں شرکت کرے۔ بیشتر باجگزار حکمراں اور ان کے ساتھ ساتھ خود مختار سردار بھی شادی میں شرکت کے لیے آئے۔ اندازہ لگایا گیا کہ برات تقریباً پانچ لاکھ اصحاب پر مشتمل تھی۔ اس برات میں چند سپاہی اور حکمراں مہمانوں کے خدمت گار تھے۔ رنجیت سنگھ کے آدمی بڑی تیزی سے ہر ایک کے آرام اور تفریح کی دیکھ ریکھ کر رہے تھے۔

یہ پارٹی امرتسر کی طرف بڑھی۔ دربار صاحب میں جانے کے لیے مہاراجہ نے دولہا کے سر پر سہرا باندھا اور جب "نیوندر" یا تمبول" کا وقت آیا تو برطانوی نمائندے نے گورنر جنرل کی طرف سے گیارہ ہزار روپے دیئے۔ اس کے بعد راجہ دھیان سنگھ نے ہدیہ پیش کیا وہ سوا لاکھ روپے کی رقم تھی۔ بہت سے راجوں اور سرداروں نے اکیاون اکیاون ہزار روپیہ دیا۔ ہر ایک جاگیردار نے تمبول پیش کیا اور رقم کا انحصار اس شخص کے ذرائع پر ہوتا تھا۔ فوجیوں اور پیدل فوج کے سپاہیوں نے بھی دس دس ہزار روپے یعنی ایک مہینہ کی تنخواہ کا نذرانہ پیش کیا۔ ایک اندازے کے مطابق تمبول سے جمع ہونے والا روپیہ مجموعی طور پر تقریباً ۱۰ ہزار پونڈ کے برابر تھا۔ اور دوسرے اندازے کے مطابق یہ ایک کروڑ روپے کے برابر تھا۔ خوب ناچ گانے ہوئے اور جشن منائے گئے اور رنجیت سنگھ نے دل کھول کر خرچ کیا اور انتظامات

www.taemeernews.com

کیے کہ عام لوگ بھی اس موقع پر اپنے آپ کو مسرت و انبساط میں شریک سمجھتے تھے۔

برات کا جو جلوس امرتسر سے چلا اس میں کئی درجن آراستہ ہاتھی تھے اور سینکڑوں اونٹ اور گھوڑے تھے۔ رنجیت سنگھ اور مدعو سرداروں کے ہزاروں فوجی بھی اس پارٹی میں شامل تھے۔ مہاراجہ ہیروں اور جواہرات سے جڑے ہوئے ہودے میں بیٹھے تھے اور چاندی اور سونے کے سکے نچھاور کر رہے تھے۔

جب وہ اٹاری پہنچے تو سردار شام سنگھ نے برات کا استقبال کیا۔ اس نے برات کے قیام کے لیے اعلیٰ درجہ کے انتظامات کر رکھے تھے اور پانچ لاکھ براتیوں میں سے ہر ایک کے قیام اور تفریح کا سامان مہیا کر رکھا تھا۔ انگریز کمانڈر ان چیف کے بھتیجے ایڈورڈ فین نے جو اپنے چچا کا ایڈی کانگ تھا اس بات کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے اس کے بیان کے مطابق جب بڑے بڑے موتیوں کی لڑیوں سے بنا ہوا سہرا نونہال سنگھ کے چہرے پر سے ہٹایا گیا تو دولہا غیر صحت مند اور پتلا دبلا لڑکا ثابت ہوا۔ اس کے چہرے پر چیچک کے ڈراؤنے نشانات تھے لیکن وہ ذہین اور شائستہ معلوم ہوتا تھا۔"

پنڈتوں کی مدد سے رات کو ۹ بجے شادی کی رسم ادا کی گئی جنھوں نے اس موقع پر شاستروں کے منتروں کا پاٹھ کیا۔ دریں اثنا رنجیت سنگھ اور ان کے مہمان طلائی اور نقرئی کرسیوں پر بیٹھے رہے، شراب پیتے رہے اور ناچ دیکھتے رہے۔

جب شادی کی رسم ادا ہو گئی تو مہاراجہ نے ایک لاکھ سے زیادہ برہمنوں اور بھکاریوں کو کھانا کھلایا اور "دکشنا" کے طور پر ہر ایک کو ایک ایک روپیہ دیا۔

حسب ذیل اشیاء دلہن کے جہیز میں شامل تھیں:

عمدہ قسم کے گھوڑے، گائیں، بھینسیں اور اونٹ سب ایک سو ایک تھے۔ ۱۱ ہاتھی تھے۔ زیورات متعدد اقسام کے تھے ۵۰۰ کشمیری شال تھے۔ فین نے بہت سی دوسری اشیاء کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا کہ کھانے اور دھلائی کی دیسی اشیاء کے پودے مجموعے

www.taemeernews.com

تھے اور وہ اشیاء سب کی سب چاندی کی تھیں اور منقش تھیں۔"

میزبان نے ایسی دوکانیں کھول دی تھیں جہاں مہمان اپنی ضرورت یا اپنی پسند کی چیزیں مفت حاصل کر سکتے تھے۔ پندرہ دن گزر گئے۔ مہاراجہ نے واپس چلنے پر اصرار کیا۔ نتیجۃً دلہن کو ٹھوس سونے کی پالکی میں بٹھا دیا گیا اور اس کے والدین اور رشتہ داروں نے اسے الوداع کہا۔

لاہور میں برات کی واپسی پر مہاراجہ نے شالیمار گارڈن میں ایک عظیم تقریب منعقد کی۔ ایک طرف ناچنے والی لڑکیوں نے اپنے فن اور اپنے حسن و جمال کا مظاہرہ کیا اور دوسری طرف رنجیت سنگھ کے یورپین مہمان عورتیں اور مرد فرطِ مسرت سے ناچتے رہے۔ سر ہنری فین اور ان کے ساتھیوں کو لاہور دکھایا گیا۔ انھوں نے کوہِ نور ہیرا اور دیگر زیورات بھی دیکھے۔

رنگا رنگ ہولی

ہولی کے تہوار میں چونکہ چند دن باقی تھے اس لیے مہاراجہ نے اپنے انگریز مہمانوں سے کہا کہ وہ یہ تہوار دیکھنے کے لیے رک جائیں۔ یہ ہنگامہ خیز جشن ان کے لیے نیا تجربہ تھا۔ فین کے بیان کے مطابق رنجیت سنگھ اپنے درباریوں کے جھرمٹ میں بیٹھے تھے جن میں بیس سے چالیس تک خوبصورت لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ (مرد نما عورتیں) جو تیر کمانوں سے لیس تھیں۔ اس تقریب میں شامل ہر آدمی کے سامنے ایک چھوٹی سی ٹوکری پڑی تھی جس میں سرخ اور زرد رنگ کے سفوف کے گولے تھے اس میں لمبی نلکیوں والی طلائی پچکاریاں بھی تھیں۔ رنجیت سنگھ نے اس تفریح کا آغاز سر ہنری فین کے گنجے سر پر زرد رنگ! زعفرانی رنگ ڈالنے سے کیا اور راجہ دھیان سنگھ نے چہرے پر گلال ملنا شروع کر دیا۔ رنجیت سنگھ افغانی سفیر پر بھی رنگ پھینکنے سے نہ ہچکچائے جن کی اچھی طرح کنگھی کی ہوئی

www.taemeernews.com

ڈاڑھی رنگ کی پھواریں سرخ ہوگئی۔ اتنے میں دوسرے گوک بھی سفیر پہ ٹوٹ پڑے اور وہ منڈپ سے قہقہوں کی گونج میں بھاگ کھڑا ہوا۔ فین اپنے اس تذکرے کو ان الفاظ پر ختم کرتا ہے "جس وقت ہم گھر جانے کے لیے اٹھ کر کھڑے ہوئے تو اس وقت ایسی حالت تھی کہ لندن کے چمنیاں صاف کرنے والے بھی ہمیں یہ کہہ کر نکال دیتے کہ ہم ان کی سوسائٹی کے لیے بہت گندے ہیں۔"

روپڑ میں بنٹنک کے ساتھ

رنجیت سنگھ ہر کام شاندار انداز میں کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ جب سفارتی معاملات کا تقاضہ ہوا کہ انگریزوں کو منانے اور راضی کر لینے کی ضرورت ہے تو مہاراجہ نے گورنر جنرل لارڈ ولیم بنٹنک سے ملاقات کرنے کی بات مان لی۔ اس مقصد کے لیے جو جگہ منتخب کی گئی وہ روپڑ تھی اور تاریخ ۲۶ اکتوبر ۱۸۳۱ء تھی۔ مہاراجہ کے آدمیوں نے اس موقع کے لیے ستلج کے کنارے پر ایک خاص پارک بنایا اور ایک ٹیلہ پر نقرئی پویلین تعمیر کیا۔ جو ہندوؤں کے مندر کی طرح دکھائی دیتا تھا۔

رنجیت سنگھ رسالہ کے ۱۶ ہزار گھوڑ سواروں کی قیادت کرتے ہوئے ۲۵ اکتوبر کی صبح کو روپڑ پہنچے۔ اگلے روز اپنے ہاتھی پر گورنر جنرل سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے بنٹنک اور اس کے آدمی ان کا خیر مقدم کرنے کے لیے باہر آئے۔ دونوں سردار آپس میں بغلگیر ہوئے اور پھر وہ انگریزوں کے خیمے میں داخل ہوئے۔ ۲۰۰ کشتیوں میں مہاراجہ کو تحفے پیش کیے گئے۔ تحائف میں دو ہاتھی اور متعدد گھوڑے بھی شامل تھے۔ ترجمانوں کے ذریعہ گفتگو کی گئی۔ اس دن کے پروگراموں کی آخری مد ناچنے والی ہندوستانی لڑکیوں کا رقص تھی جن کو انگریز اپنے ہمراہ لائے تھے۔

www.taemeernews.com

اگلے دن جوابی اقدام کے طور پر بنٹینک مہاراجہ سے ملنے گئے۔ رنجیت سنگھ کی جانب سے خیر مقدم کے بعد وہ دونوں ایک ہی ہاتھی پر سوار کچھ فاصلے تک گئے۔ اس کے بعد گورنر جنرل کو نقرئی پیویلین میں لے جایا گیا۔ پنجابی توپ خانہ نے ۲۱ توپوں کی سلامی دی مہاراجہ نے اپنے سردار بنٹینک کے روبرو پیش کیے اور بنٹینک نے اپنے افسروں کا رنجیت سنگھ سے تعارف کرایا۔ اس کے بعد کشمیر کی ناچنے والی لڑکیوں نے کچھ دیر کے لیے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ اب گورنر جنرل کے لیے مہاراجہ کے تحائف ایک سو کشتیوں میں آئے ایک ایک ہاتھی اور دو گھوڑے بھی تحائف میں شامل تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بنٹینک کو موتیوں کی لڑی کا ایک نجی تحفہ بھی دیا۔

اس کے بعد دونوں سرداروں نے ایک دوسرے کی فوجوں کا معائنہ کیا۔ شام کو مہاراجہ نے لارڈ اور لیڈی بنٹینک کو ضیافت دی۔ باہر آتش بازی چھوڑی جا رہی تھی اور خیمہ کے اندر کشمیری لڑکیوں کا رقص ہو رہا تھا۔ شراب کھل کر بہہ رہی تھی اور ایک مرحلے پر ہولی کے انداز میں سنہرا رنگ چھوڑا گیا۔ اس کے بعد دونوں فریقین نے ریاست کے امور پر بات چیت کی۔ اس بات چیت کا جو نتیجہ نکلا وہ رنجیت سنگھ اور سکھوں کے لیے بہت مایوس کن تھا۔

فیروزپور میں آک لینڈ کے ساتھ

ہندوستان میں انگریزوں کی طاقت نے جب روسی خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے کابل کے تخت پر شاہ شجاع کو بٹھانے کا فیصلہ کیا تو اسکے بعد انھوں نے اس معرکے میں رنجیت سنگھ کو حصے دار بنانے کے لیے خاص کوششیں کیں۔ شملہ میں لارڈ آک لینڈ کی آمد پر مہاراجہ نے خیر سگالی کا ایک وفد بھیجا اور تجویز کیا کہ ان کے اور گورنر جنرل کے

www.taemeernews.com

درمیان ملاقات ہونی چاہیے۔

یہ طے پایا کہ دونوں کے درمیان نومبر ۱۸۳۸ء کے آخری ہفتہ میں فیروزپور میں ملاقات ہوگی اور پہلی ملاقات کی تاریخ ۲۹ نومبر مقرر کی گئی گرنتھ صاحب کے سامنے پاٹھ سننے کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ ایک جلوس کی شکل میں انگریزوں کے خیمے کی جانب روانہ ہوئے۔ گورنر جنرل کے کیمپ کے گرد اس قدر ہجوم اور انتشار تھا کہ چند انگریز فوجیوں کو دربار کے لیے مناسب فضا پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا تھا۔

حسب معمول گورنر جنرل مہاراجہ کے لیے تحائف لائے تھے یہ تحائف زیادہ تر بندوقوں پستولوں، اور شمشیروں جیسے ہتھیاروں پر مشتمل تھے۔ دو دو مار توپیں بھی پیش کی گئیں مہاراجہ ان کو پاکر بہت مطمئن ہوئے کیونکہ ان پر اُن کے چہرے کی ایک رخی تصویر بھی کندہ تھی۔ جب ان کو یہ پتہ چلا کہ لارڈ آک لینڈ ان کے لیے کچھ گھوڑے بھی لائے ہیں تو مہاراجہ فرطِ شوق و تحقیق سے کچھ اتنے جوش میں آگئے کہ وہ دھوپ میں باہر بھاگے کہ وہ ان گھوڑوں کے اعضاء ٹٹول کر انھیں محسوس کر سکیں۔ جب گورنر جنرل جوابی اقدام کے طور پر مہاراجہ کے پاس گئے تو ایسا ہی انتشار انگیز منظر دیکھنے میں آیا۔

شام کو استقبالی اور کاروباری ملاقات ہوئی۔ آتش بازی اور رقص کے شور سے بھرپور فضاء میں رنجیت سنگھ نے لارڈ آک لینڈ کو بتایا کہ وہ شاہ شجاع کو کابل کا تخت دلانے کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ تعاون کرنے پر رضامند ہیں۔ جلد ہی کچھ اور رقص پیش کیے گئے اور مہاراجہ کے لیے جو خاص شراب کشید کی گئی تھی وہ ان کو پیش کی گئی۔ اگرچہ لارڈ آک لینڈ شراب نہیں پیتے تھے لیکن انھوں نے شراب قبول کرلی اور ان کی بہن ایملی ایڈن کو اس کا ذائقہ اتنا برا لگا کہ انھوں نے رنجیت سنگھ کی نظریں بچا کر شراب کسی نہ کسی طرح قالین پر گرادی۔ اس دورے نے بھائی اور بہن کے دل و دماغ پر ایک اچھا اثر چھوڑا۔ مس ایڈن نے یہ کہا کہ لوگ مہاراجہ سے گہرائی کے ساتھ محبت کرتے تھے

www.taemeernews.com

لارڈ آکلینڈ کی نظروں میں ”مہاراجہ نہایت ہی طاقتور اور گراں قدر دوستوں میں سے ایک دوست تھا۔“

www.taemeernews.com

بارھواں باب

علالت اور موت

رنجیت سنگھ مضبوط ڈیل ڈول رکھتے تھے اور جسمانی ورزش اور خوراک کے استعمال کی کافی باقاعدہ عادات سے اسے چاق و چوبند رکھتے تھے۔ اس کے باوجود ایسے رہنما کی زندگی جسے طویل اور پیچیدہ فوجی اور اس کے ساتھ ساتھ سفارتی فرائض سرانجام دینے پڑتے ہیں، بہت ہی سخت گیر ہوتی ہے نتیجتہً یہ سخت گیریاں مہاراجہ کی صحت پر دھیرے دھیرے اور چپکے چپکے اپنا اثر ڈالتی رہیں۔ رنجیت سنگھ میں تیز شراب پینے کی کمزوری تھی۔ جس نے انحطاط کے عمل کو تیز کر دیا۔ ان کے لیے جو خاص شراب تیار اور کشید کی جاتی تھی اسے "آتشِ سیال" کہا جاتا تھا۔ جب وہ شراب پینے بیٹھتے تھے تو اکثر زیادہ پی جاتے تھے اور خاص طور پر تہوار کے دنوں میں اور نامور مہمانوں کی صحبت میں بہت زیادہ پیا کرتے تھے ان پر مے نوشی کے جو دورے پڑتے تھے وہ برسات کے موسم میں طویل ہوا کرتے تھے وقت گزرنے پر مے نوشی کی عادت نے خراب جگر اور بیماری کی جانب میلان کی صورت میں اپنا ناگزیر اثر پیدا کیا۔

اُن پر بیماری کا پہلا شدید حملہ یہ تھا کہ ان کو ۱۸۲۶ کے موسم گرما میں ملیریا ہو گیا۔ اور ان کے معمول پر آنے میں کئی مہینے لگ گئے لیکن اس صحت یابی کی رفتار اگرچہ سست

www.taemeernews.com

تھی لیکن وہ ایک بار پھر توانا ہو گئے۔ اور دس سال کے بعد ہی ان کی صحت کو زک پہنچی ۱۸۳۵ء کے برسات کے موسم میں ایک رات ان پر دورہ پڑا اور ان کے جسم کا دایاں حصہ مفلوج ہو گیا اور ان کی قوتِ گویائی پر اثر پڑا۔ لیکن فقیر عزیز الدین کی اعانت نے کسی حد تک ان کی قوتِ گویائی کو بحال کرنے میں مدد کی۔ ایک پیچیدہ عنصر یہ تھا کہ وہ مغربی ادویات اور ڈاکٹر کے مشورے پر عمل کرنے سے گریز کرتے تھے۔ وہ صبح باہر جانے پر ضد کیا کرتے تھے اگرچہ رات کو بخار نے ان کو پچھاڑ کر رکھ دیا ہوتا تھا۔ اور وہ حسبِ معمول اپنا دربار لگاتے تھے اگرچہ یہ سمجھنا مشکل ہوتا تھا کہ وہ کہہ کیا رہے ہیں۔

فالج کے دوسرے حملے نے ڈیڑھ سال بعد ان کو بے بس کر دیا۔ اس نے پھر جسم کے دائیں حصہ کو متاثر کیا۔ اور ان کی قوتِ گویائی زیادہ ناقابلِ فہم ہو گئی۔ جب وہ گھوڑ سواری کرنا چاہتے تھے تو ان کو اٹھا کر گھوڑے پر بٹھایا جاتا تھا۔ رنجیت سنگھ اپنی پالکی سے باہر نکل نہ سکے جبکہ وہ ایک دن ہوا خوری کے لیے نکلے ہوئے تھے اور ایک مست ہاتھی نے پالکی پر حملہ کر دیا۔ اگر وقت پر امداد نہ ملتی تو غیظ آلود ہاتھی نے ان کو ہلاک کر دیا ہوتا۔

جب مہاراجہ ۲۴ دسمبر ۱۸۳۸ کو فیروز پور میں لارڈ آک لینڈ کی خاطر و مدارات کر رہے تھے تو ان پر تیسرا دورہ پڑا۔ وہ گورنر جنرل کو شراب پیش کر رہے تھے کہ وہ زور زور سے کانپنے لگے اور ان کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ لارڈ آک لینڈ گھبرا کر اٹھے کہ یہ دیکھ سکیں کہ مہاراجہ کو کیا ہو گیا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے منہ سے رال اور جھاگ بہنے لگی تھی اور ان کی زندہ آنکھ پتھرا گئی۔ ایک ہفتہ کے بعد ان کی حالت بہتر ہو گئی اور انھیں لاہور لے جایا گیا۔

اس دورہ نے رنجیت سنگھ کی قوتِ گویائی مکمل طور پر سلب کر دی اب اشارے اور کنائے ہی ہمکلامی کے واحد ذرائع تھے۔ فقیر عزیز الدین اپنے آقا کا وفادار اور ایثار پسند خادم تھا جس کی وفاداری نے مہاراجہ کی اشاروں اور کنایوں والی زبان

www.taemeernews.com

سمجھنے میں مدد کی۔ وہ اپنا کان رنجیت سنگھ کے منہ کے قریب لے جاتا اور دونوں ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے پورا زور لگاتے۔ بھرپور سردیاں آنے پر مہاراجہ کی علالت بڑھتی گئی۔ اب ان کو زکام اور کھانسی کی مسلسل شکایت رہتی۔ بہرکیف وہ فروری کے آتے ہی پھر کچھ بہتر ہوگیا اور اس کے درباری پھر اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ وہ بہت جلد دربار صاحب میں پاٹھ کے لیے امرتسر گیا اور بھاری رقم بطور دان دی گئی۔ مہاراجہ کی کمزور صحت پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے گورنر جنرل نے دو انگریز ڈاکٹر ان کے معائنہ کے لیے بھیجے۔ رنجیت سنگھ جس ماحول میں رہتے تھے وہ چونکہ متعفن اور غیر صحت مند تھا اس لیے ان کو بہتر جگہ منتقل کر دیا گیا۔ لیکن ڈاکٹروں نے یہ رپورٹ پیش کی کہ مہاراجہ جس کے بارے میں خیال ہے کہ اسے افاقہ ہو رہا ہے زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہے گا۔

موسم گرما کی آمد پر وہ ایک مرتبہ پھر بے چین ہوگئے۔ اور ان پر اس حقیقت کا انکشاف ہوگیا کہ ان کا انجام دور نہیں ہے۔ گرنتھوں کے مسلسل پاٹھ اور غریبوں کو کھانا کھلانے کی صورت میں روایتی روحانی سہارے لیے گئے۔ وہ گوردوارے اور وہ لوگ جو اپنے تقدس کے لیے مشہور تھے ان کو سونے چاندی کا دان دیا گیا۔ ۱۰ جون کو مہاراجہ کی حالت خراب ہونے لگی۔ وہ کھانسی اور تیز آندھی کے طوفان کی وجہ سے سوکھے ان کے پیر سوج گئے اور ان کے پاخانے میں خون آنے لگا۔ ۱۲ جون کو یعنی جیوتشیوں کی جانب سے مقرر کی گئی تاریخ کو انھیں قلعہ میں منتقل کر دیا گیا۔ گھوڑوں، ہاتھیوں، گئوؤں، اور جانوروں کی سونے اور چاندی کی مورتیوں اور نقد روپے کی صورت میں نیا دان تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا۔ پانچ بار ان کے وزن کے برابر اناج دان دیا گیا۔ ایک حکم جاری کیا گیا جس کی رُو سے پنجاب بھر میں ذبح کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ لیکن رنجیت سنگھ کی حالت میں کوئی بہتری نہ ہوئی۔ درحقیقت اختلاج قلب کی صورت میں ایک نئی پیچیدگی نمودار ہوئی۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کا انجام قریب ہے انھوں نے حکومت کی باگ ڈور اپنے بیٹے کھڑک سنگھ کے ہاتھوں میں سونپ دینے کا

www.taemeernews.com

فیصلہ کیا ۔ ۲۱ جون کی صبح کو ثمن برج سے ایک اعلان نامہ پڑھ کر سنایا گیا جس کی رو سے کھڑک سنگھ کو مہاراجہ اور راجہ دھیان سنگھ کو وزیرِ اعظم بنا دیا گیا۔ اس سے پہلے رنجیت سنگھ نے اپنے بیٹے کا ہاتھ ڈوگرہ سردار کے ہاتھوں میں دے دیا تھا اور کھڑک سنگھ سے کہا تھا کہ ڈوگرہ سردار کو خلعت عطا کرے ۔

۲۲ جون کو رنجیت سنگھ کی حالت مزید خراب ہوگئی ۔ ہندوؤں میں یہ رواج ہے کہ جو آدمی مر رہا ہوتا ہے اسے فرش پر لٹا دیا جاتا ہے تاکہ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے دھرتی ماں سے اس کا رابطہ برقرار رہے ۔ جب اس بات کا ڈر پیدا ہو گیا کہ مہاراجہ کا انجام زیادہ دور نہیں ہے تو راجہ دھیان سنگھ نے خزانہ سے دس لاکھ روپے کے سکے نکالے اور فرش پر ایک چبوترے کی شکل میں رکھ دیئے ۔ اور ان پر ایک بہت ہی قیمتی کشمیری شال ڈال دی۔ رنجیت سنگھ کو اس چبوترے پر منتقل کر دیا گیا لیکن مہیہ منتری آخری دم تک غم میں ڈوبا رہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی جو رکنے میں ہی نہیں آتی تھی ۔

۲۴ جون کو بوڑھے مہاراجہ نے حکم دیا کہ اس کی دنیاوی دولت جس میں خزانے اور جواہرات شامل ہیں ۔ اس کے سامنے لائی جائے اس نے کوہ نور بھی منگوا بھیجا اور یہ اشارہ کیا کہ اسے پوری (اڑیسہ) میں بھگوان جگن ناتھ یا امرتسر میں دربار صاحب کی بھینٹ کر دیا جائے ۔ لیکن خزانچی بیلی رام مسر نے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ہیرا دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ تاج کا ہیرا ہے لہذا اب یہ مہاراجہ کھڑک سنگھ کی جائیداد ہے ۔ دیگر مورخین کا کہنا ہے کہ رنجیت سنگھ کے درباریوں نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا چونکہ ہیرا بیش بہا تھا اور مندر کے برہمنوں سے کوئی اسے خرید نہیں پائے گا۔ بہرکیف رنجیت سنگھ نے وسیع پیمانہ پر عام قسم کا دان تقسیم کیا۔ اس طرح مندروں میں جو کل رقم تقسیم کی گئی وہ دو کروڑ کے برابر تھی ۔ اس کے بعد اس نے اپنے ہتھیار امرا کو بطور تحفہ دیدئے ۔ بہت سے امراء ان ہتھیاروں کی اپنے آقا سے جدائی پر فرطِ غم سے رو پڑے ۔

www.taemeernews.com

اب رنجیت سنگھ دم توڑ رہے تھے۔ ۲۶ جون کو ان پر سکتہ طاری ہو گیا اور اگلے روز (ویروار) غروبِ آفتاب سے پہلے چل بسے۔ ہر ایک رانی، مہاراجہ کھڑک سنگھ، راجہ دھیان سنگھ اور دیگر درباری رات بھر لاش کے پاس بیٹھے اس کی نگرانی کرتے رہے۔ غم کے مارے بے سدھ ہوئے جا رہے تھے آہ وزاری میں دھیان سنگھ کی آواز سب سے بلند تھی اور وہ اپنے اس عزمِ راسخ کا اعلان کر رہا تھا کہ وہ اپنے آقا کی چتا پر خود کو نذرِ آتش کر دے گا۔ رنجیت سنگھ کی چار بیویوں اور سات لونڈیوں نے بھی ایسا ہی فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں پہل کٹوچ کی رانی گڈاں نے کی جس نے دھیان سنگھ سے یہ عہد و پیمان حاصل کیا کہ وہ کھڑک سنگھ، نونہال سنگھ اور ریاست کا وفادار رہے گا اور اس نے دونوں شہزادوں سے بھی یہ عہد و پیمان کیا کہ وہ راجہ کے خلاف اس کے حریفوں کی غلط بیانی کے باعث تعصب سے کام نہیں لیں گے۔

جب دن نکلا تو رنجیت سنگھ کی نعش کو اس پانی سے نہلایا گیا جو خاص طور پر اس مقصد کے لیے ہردوار سے لایا گیا تھا اس کے بعد اس پر صندل ملا گیا اور ان کی نعش کو شاہی پوشاک پہنائی گئی اور پھر ان کو صندل کی لکڑی کی ارتھی میں رکھ دیا گیا اور یہ جلوس اس جگہ کے لیے روانہ ہوا جسے انتم سنسکار کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ ارتھی کے جلوس کی رہنمائی وہ رانیاں کر رہی تھیں جن کو ستی ہونا تھا۔ چلتے چلتے وہ اپنے زیورات برہمنوں میں تقسیم کر رہی تھیں۔ اس سے پہلے جس روپے کا چبوترہ مہاراجہ کے لیے بنایا گیا تھا اسے بطور دان دے دیا گیا تھا۔ ان رانیوں کے پیچھے کھڑک سنگھ اور امراء تھے وہ سب ننگے سر اور ننگے پاؤں تھے اور ناقابلِ بیان غم و الم سے ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔

انتم سنسکار کے لیے صندل کی لکڑی کی چتا پہلے ہی تیار کر دی گئی تھی جب نعش اس پر رکھ دی گئی تو رانی گڈاں نے رنجیت سنگھ کا سر اپنی گود میں لے لیا اور باقی تین رانیاں اور سات لونڈیاں چتا پر جا بیٹھیں۔ مختلف مذاہب کے نمائندوں نے دعا پڑھی۔

www.taemeernews.com

بھگوت گیتا کی ایک کاپی رحلت فرما جانے والے رہنما کے سینے پر رکھ دی گئی۔ کھڑک سنگھ نے صندل کی لکڑیوں پر ایک چادر (گھی میں بھگو کر) اس طرح ڈال دی کہ وہ ستیوں کو ڈھانپ لے اور پھر چتا کو آگ لگا دی گئی۔ آسبورن کے بیان کے مطابق جو عورتیں چتا پر خود کو نذرِ آتش کرنے کے لیے موجود تھیں ان کے لبوں سے کراہ یا آہ تک نہ نکلی۔

راجہ دھیان سنگھ نے کئی بار چتا میں کودنے کی کوشش کی لیکن ہر بار سوگواروں نے اسے روک لیا۔

ہندوؤں میں جیسا کہ رواج ہے چوتھے روز راکھ اور ہڈیاں (استھیاں) جمع کی گئیں اور گھڑوں میں ڈال دی گئیں ایک گھڑا مہاراجہ کے لیے اور ۱۱ گھڑے ستیوں کے لیے۔ لاہور کے بازاروں میں ان کا جلوس نکالا گیا اور ریاست نے توپیں داغ کر آخری بار سلامی دی۔

اس کے بعد وہ باری باری ہردوار لے جائے گئے۔ گنگا میں پرواہنے کے لیے لاہور کی طرح لوگ ہردوار تک سارے راستے پر خاموشی سے کھڑے رہے اور بہت سے لوگ اپنے خاص انداز میں اپنے غم و الم کا اظہار کرتے رہے اور مرحوم مہاراجہ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے رہے۔

www.taemeernews.com

تیرھواں باب

شکل و شباہت اور کردار

رنجیت سنگھ ایک ایسے زمانہ میں زندہ رہے جب کوئی ہندوستان میں یہ نہیں جانتا تھا کہ فوٹوگرافی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے فوٹو نہیں ملتے ہیں صرف مصوروں کی بنائی ہوئی تصویریں ملتی ہیں اور یہ تصویریں بھی اُن کے آخری برسوں سے متعلق ہیں جب کہ ان کی شکل و شباہت بری طرح تبدیل ہو چکی تھی۔ مختلف اقسام کی زیادتیوں کے باعث۔

سید محمد لطیف جن کی کتاب "پنجاب کی تاریخ" ۱۸۹۱ میں شائع ہوئی، مہاراجہ کی شکل و شباہت کے بارے میں یہ کہتے ہیں ان کی شکل و صورت دلآویز تھی ان کے طور و اطوار اور ان کا طرزِ تخاطب مسرت انگیز تھا ان کے حدوخال جوش و اظہار سے بھرپور تھے۔ ان کی جو آنکھ بچ رہی تھی بڑی تھی، تیز تھی اور برق انداز تھی اور اس میں جو آگ اور تابانی تھی وہ اپنے مالک کی عظیم ذہانت اور ذہنی توانائی کا مظاہرہ کرتی تھی۔

کردار

بعض کامرانیاں اتفاقی اور ناگہانی ہوتی ہیں۔ لیکن جب انسان رنجیت سنگھ

www.taemeernews.com

کی طرح کوشش و کاوش کے وسیع میدان میں کامیاب ہوتا ہے، بار اپنے کارنامے دوہراتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اس کے کردار میں ایسے عناصر ہوتے ہیں جو اولین طور پر اس کی کامیابی کا سبب ہوتے ہیں۔ اس قسم کے تجزیہ میں ہمیں رنجیت سنگھ کے سارے وجود پر نظر ڈالنی ہوگی اور ان رجحانات اور میلانات کا پتہ لگانا ہوگا جنھوں نے ان کو ایک عظیم فاتح ایک کامیاب حکمراں اور سب سے بڑھ کر خواص و عوام میں مقبول بنا دیا۔ کردار کے ان مختلف اجزاء کا ایسا امتزاج ہو گیا تھا کہ انھوں نے ان کو ایک نجی حربہ فراہم کیا جس سے وہ ان تمام دشواریوں پر قابو پا لیتے تھے جو ان کے راستے میں حائل ہوتی تھیں۔

پنجاب پر رنجیت سنگھ کا تسلط کم سے کم چالیس سال تک رہا ۱۷۹۷ء سے ۱۸۳۹ء تک۔ اور وہ انسان واقعی عظیم ہوتا ہے جو اتنے طویل عرصہ کے دوران نظم و نسق کے میدان میں اور جنگ اور حکمتِ عملی کے میدان میں بھی کامیابیوں پر کامیابیاں حاصل کرتا ہے۔

ہمت، حوصلہ اور صبر و تحمل

رنجیت سنگھ خود بہادر اور اعلیٰ درجہ کے حوصلہ مند انسان تھے۔ وہ گھمسان کی لڑائی میں بھی خوفزدہ نہیں ہوتے تھے اس لیے کہ وہ موت سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور اس لیے بھی کہ وہ مشیت اور مقدر پر یقین رکھتے تھے۔ نپولین کی طرح ان کا بھی یہ اعتقاد تھا کہ ناکامی، عزم اور ارادے کے انسان کے لیے ایک ناممکن شے ہوتی ہے وہ اپنے مقاصد کو واضح طور پر اپنے سامنے رکھتے تھے اور یکے بعد دیگرے ان کو حاصل کرتے چلے جاتے تھے۔ وہ کبھی تکان محسوس نہیں کرتے تھے۔ وہ گھنٹوں گھوڑے کی پیٹھ پر سوار رہتے تھے کیونکہ ان کے اندر جو جذبہ تھا وہ تکان کو نزدیک نہیں پھٹکنے

www.taemeernews.com

دیتا تھا۔ وہ جب علیل بھی ہوتے تھے تو بھی اپنا روزمرہ کا سرکاری کام کیا کرتے تھے اور ریاست کا کاروبار باقاعدگی سے سرانجام دیا کرتے تھے۔ ڈبلیو۔ جی آسبورن کے الفاظ میں "ان کی حوصلہ مندی کچھ اس قسم کی ٹھنڈی اور سوچی سمجھی تھی کہ وہ غیر ضروری خطرہ سے دو چار نہیں ہوتی تھی اور اس خطرہ سے کبھی گریز نہیں کرتی تھی جس کا سامنا کرنا انکا مقصد ضروری بنا دیتا تھا وہ ہمیشہ اپنی کوششوں اور اپنے مقاصد کے درمیان مناسب توازن برقرار رکھتے تھے۔

متجسس اور صائب الرائے

رنجیت سنگھ پیدائشی فائٹر تھے اور ان کا دل تحقیق و تفتیش کے جذبہ سے بھرپور تھا۔ جب بھی ان کی ملاقات نئے افسان بالخصوص غیر ملکی باشندے سے ہوتی تھی تو وہ اس سے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لیے اس پر سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دیتے تھے۔ قدرتی طور پر ان کے سوالات اگرچہ سیاسی امور سے متعلق ہوتے تھے۔ لیکن وہ دفاعی معلومات، مذہب، سماجی حالات وغیرہ جیسے مبدانوں کو فراموش بھی نہیں کرتے تھے۔ وکٹر جیکیومینٹ کی رائے کے مطابق مہاراجہ ایک بہت ہی متجسس ہندوستانی تھے۔ جن سے ان کی ملاقات ہوئی تھی "انھوں نے ہندوستان، انگریزوں، یورپ، نپولین، بوناپارٹ، عام طور پر اس دنیا اور اگلی دنیا، جہنم، جنت، روح، خدا، شیطان کے بارے میں ہزاروں اور ایسے ہی سینکڑوں سوالات پوچھے۔

رنجیت سنگھ جو بات سیکھتے تھے اسے یاد رکھتے تھے۔ ان کو اپنے علاقوں میں واقع ہزاروں دیہات میں سے ہر گاؤں کا نام یاد تھا اور معلوم تھا کہ اس کا محل وقوع کیا ہے۔ ایک دفعہ انھوں نے ستلج کے دائیں کنارے پر واقع اضلاع گن کر بتلائے اور ان کے انچارج افسروں کے نام لیے اور ہر ضلع میں موجود سپاہیوں کی تعداد بتائی۔ وہ ان پڑھ ضرور تھے لیکن بے حد ذہین تھے اور ان کی قوت حافظہ ان کو معلومات برقرار رکھنے میں مدد دیتی تھی۔ جیمز اسکنر ہمیں بتاتے ہیں کہ جب مہاراجہ

www.taemeernews.com

۱۸۳۱ء میں لارڈ بنٹنک سے روپڑ میں ملے تو انھوں نے بڑے غور سے انگریزی فوجی ساز و سامان کی جانچ پڑتال کی اور بہت سے سوالات پوچھے۔ انھوں نے انگریز فوجیوں کو وہ نقل و حرکت دکھانے کے لیے کہا جس سے وہ واقف نہیں تھے۔" فوجی امور سے متعلق رنجیت سنگھ کی واقفیت نے اسکاٹ کے ذہن پر ایک گہرا نقش چھوڑا۔ وہ کہتا ہے "رنجیت سنگھ کسی دوسرے مقامی سپاہی کی نسبت کہیں زیادہ بدتر ثابت ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کو کسی انگریز فیلڈ مارشل کی ذہانت نصیب ہوئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس طرح چل پھر رہے تھے جیسے وہ خود انگریز فوجوں کے کمانڈر ہوں۔"

عیش دوستی کے سلسلے میں صبر و ضبط

مہاراجہ یورپ میں اپنے بہت سے فوجی ہمعصروں کی طرح شراب اور عورت کے بہت شائق تھے۔ یہ ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے کہ انھوں نے کافی بڑی تعداد میں عورتوں سے شادی کی یا ان کو اپنے حرم میں ڈال لیا۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ تیز شراب کے شوقین تھے۔ بہرکیف اس زمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جس میں وہ رہتے تھے یہ بات قطعاً ایک مہاراجہ کی شان کے خلاف نہیں تھی۔ بیرن ہیوگل کے بیان کے مطابق شراب بگلے کے گوشت کو چھوڑ کر ہر جانور کے گوشت سے، موتیوں اور جواہرات سے، مشک اور افیون سے اور مختلف اقسام کے پودوں سے تیار کی جاتی تھی۔ ان سب کو ملا کر ایک مشروب بنایا جاتا تھا۔ درحقیقت وہ اسے شیطان کی شراب کہتا ہے لیکن جب میدانِ جنگ یا فرض ان کو پکارتے تھے تو رنجیت سنگھ ہر ترغیب و تحریص کو ترک کر سکتے تھے۔ اور اپنے لئے مقرر کیے ہوئے مقاصد کے لیے ان تھک طور پر کام کر سکتے تھے ان کی اپنی ماں اور سدا کور اُن کی پہلی ساس جنسی تلذذ کی مدد سے ان کو بعض اعمال اور پالیسیوں پر اکسانے کی کوشش کیا کرتی تھیں لیکن وہ ان کی چال کو بھانپ جاتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ اپنی

www.taemeernews.com

کمزوری کو کیسے کچل سکتے ہیں۔ وہ اپنے اغراض و مقاصد کو آگے بڑھانے کے لیے عیش و تفریح سے بھی کام نکالا کرتے تھے۔ جب گورنر جنرل یا ان کے ایلچی ان سے ملا کرتے تھے تو وہ ان کے اعزاز میں وسیع پیمانے پر رقص و شراب کی مجلسوں کا اہتمام کرتے تھے جب وہ ان کی اس طرح خاطر تواضع کر رہے ہوتے تھے تو ان سے معنی خیز سوالات بھی پوچھا کرتے تھے۔ انھوں نے اور ان کے مہمانوں نے چاہے کتنی ہی شراب پی رکھی ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اپنے ذہن کو صاف رکھتے تھے اور یہ بات قطعاً ناممکن نہیں ہے کہ کثرت سے تیز شراب پینے کے باعث ان کی صحت خراب ہو گئی اور بالآخر ان کی موت کا باعث بن گئی۔ لیکن یہ ان کے زمانہ اور ان کے سماج کی لعنت تھی لیکن اپنی اس کمزوری کے باوجود وہ کبھی بدمستی کی حد تک نہیں پہنچتے تھے اور کبھی شرابی جیسی حرکت نہیں کیا کرتے تھے۔ اور جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے وہ مقررہ وقت پر کام کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے تھے چاہے وہ اس سے چند گھنٹے پہلے دادِ عیش دے رہے ہوتے تھے۔

بہت سے مشاہدین متضاد رجحانات سے بھرپور رنجیت سنگھ کی فطرت کے امتزاج سے متاثر ہوئے۔ اگرچہ وہ ان پڑھ تھے لیکن وہ عملی عقل و دانش اور ذکاوت رکھتے تھے وہ حیرت انگیز حد تک ذہین تھے اور بعض اوقات ان کا تجسس بچکانہ ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ انھوں نے رسمی طور پر تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن انسانوں اور ریاستی امور سے ان کے رابطہ نے انھیں ان کے زمانہ کی زبان فارسی کا عملی علم عطا کیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ فقیر عزیز الدین جیسے عالم کے تیار کیے مسودات میں بہتری کے مشورے دیا کرتے تھے وہ خود ان پڑھ تھے لیکن عالم اور عالمانہ باتوں کا بہت احترام کیا کرتے تھے جب انھوں نے پشاور پر پہلی بار حملہ کیا تو انھوں نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ مسلم درویش کے کتب خانہ کو بالکل محفوظ رکھیں۔ وہ ناچنے والی لڑکیوں سے ہنسی ٹھٹھول کا کھلے عام

www.taemeernews.com

تبادلہ کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ریاست کے امور میں انھیں کیا کیا مشورے دینے چاہئیں اور وہ دکھاوے کے طور پر صلاح مشورہ بھی کیا کرتے تھے جب وہ یہ سمجھتے تھے کہ اپنے مقاصد کی جستجو میں ایسا کرنا قرینِ مصلحت ہے۔

رنجیت سنگھ کے نجی کردار کے جائزے کو ڈاکٹر ڈبلیو، ایل ہیگریگر کی کتاب "سکھوں کی تاریخ"، میں سے ایک اقتباس پر ختم کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ "رنجیت سنگھ کا تبسم دلآویز ہے اور ان کا طرزِ تخاطب تمام مواقع پر آسان اور غیر متردّد ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اپنے خیالات کے اظہار کے لیے الفاظ کی کمی کبھی محسوس نہیں ہوتی۔ جن کو وہ ہر موضوع پر بڑی تیزی سے قائم کر لیتے ہیں۔ جب وہ گفتگو کر رہے ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ موضوع کے مفہوم کو فوراً سمجھ لیتے ہیں۔ اور ان کی دلائل آفرینی کی صلاحیتیں اور امتیازی ذہانت اعلیٰ معیار رکھتی ہیں۔

حکمران کی حیثیت سے

رنجیت سنگھ نہ صرف ایک فرد بلکہ ایک حکمراں کی حیثیت سے حیرت انگیز شخصیت رکھتے تھے اگر وہ پنجاب کو ایک سلطنت میں متحد کرنے اور اپنی حکومت کو وسیع علاقے تک توسیع دینے میں کامیاب ہوئے تو اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے منصوبوں کی ساخت اور تعمیل کے لیے اپنے سیاسی اور انتظامی اوصاف کو بروئے کار لائے۔

یہ باتیں ایک الگ جائزے کی متقاضی ہیں

وہ چونکہ اوّل طور پر ارفع و اعلیٰ آرزوئیں اور تمنائیں رکھنے والے انسان تھے۔ اِس لیے رنجیت سنگھ نے ایک فاتح کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کیا۔ لیکن آرزو اور تمنا ہی ان کو دور تک نہ لے جا سکتی اگر انھوں نے اپنی اس آرزو پر اپنے اوصاف کی دھار نہ رکھی

www.taemeernews.com

ہوتی جنھوں نے ان کی فتوحات کو مستحکم بنانے میں اور لوگوں کے نزدیک ان کو قابلِ قبول اور ہر دلعزیز بنانے میں مدد دی۔ لوگ ان کو کس طرح خراجِ تحسین ادا کر رہے تھے اس کی تصدیق خود ایملی ایڈن نے کی ہے: "لوگ جس طرح ان سے محبت کرتے ہیں وہ بہت متاثر کن ہے۔" اگلے روز ہم شہر امرتسر میں جا رہے تھے تو اس بات نے ہم سب کو بہت متاثر کیا کہ لوگ بڑے اشتیاق سے "مہاراجہ" کا نعرہ بلند کرتے تھے اور ان کو چھو کر دیکھنے کی خواہش کرتے تھے۔"

ان کی یہ مقبولیت لوگوں تک ہی نہیں بلکہ شہری اور فوجی ساتھیوں میں بھی پھیلی ہوئی تھی۔ ان میں سے بیشتر ان کی زندگی تک وفادار رہے۔ وہ اس لحاظ سے حقیقی فوجی کمانڈر تھے کہ وہ نہ صرف اپنے افسروں کو مکمل ہدایات جاری کیا کرتے تھے بلکہ جب کبھی اور جہاں ممکن ہوتا تھا وہ حملہ کرنے والی فوج کے آگے ہوتے تھے اور اپنے رفیقوں کے ہمراہ برابر کا خطرہ مول لیتے تھے وہ اپنے آدمیوں کی فلاح و بہبودی کے لیے صدق دلی سے فکرمند رہتے تھے وہ ان لوگوں کے لیے مناسب انتظام کر دیا کرتے تھے جو جنگ میں کام آتے تھے اور وہ فوجی مہمات جیتنے والوں کو فراخدلی سے انعام دیا کرتے تھے۔ آسبورن کی رائے کے مطابق مہاراجہ لڑائی کے میدان میں جب جاتے تو ان کے بازوؤں پر بہت سے سونے کے کنگن مزین ہوتے تھے۔ جب وہ کسی نجی شجاعت کے کارنامہ سے دوچار ہوتے تھے تو ایک جوڑی کنگن بطور انعام دیا کرتے تھے۔

ان کی فیاضی کے دائرے میں ان کے شکست خوردہ حریف بھی آتے تھے جب وہ اپنے کسی دشمن یا حریف کو جنگ میں شکست دیتے تھے تو اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ وہ محتاج نہ رہنے پائے۔ اسے ایک مناسب جاگیر دیتے تھے۔ اس سلسلے میں یہ حقیقت قابلِ ذکر ہے کہ ان کے گرد جمع رہنے والے درباروں کا ایک حصہ ان نوابوں کے بیٹوں اور جانشینوں پر مشتمل تھا جن کے علاقوں پر انھوں نے قبضہ کر لیا تھا لیکن جنھوں نے رنجیت سنگھ میں اپنا

www.taemeernews.com

ایک اچھا سرپرست اور دوست پایا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کیسے دشمن کو سرنگوں کیا جاتا ہے اور اس کے دل پر فتح پائی جاتی ہے۔

رنجیت سنگھ بہت اچھے مردم شناس تھے۔ وہ جبلی طور پر ایک شخص کی قدر و قیمت سمجھ لیتے تھے اور اسے ایسے عہدہ پر فائز کرتے تھے جہاں وہ بہت ہی مفید ثابت ہو۔ اس طرح انھوں نے اپنے گرد وزراء اور افسروں اور ان کے ساتھ ساتھ ذہین فوجی کمانڈروں کی کہکشاں جمع کرلی تھی جو عقیدے، مذہب اور نسل کے اعتبار سے ان سے مختلف تھے لیکن ان کو جو فرائض سونپے جاتے تھے انھیں وہ بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا کرتے تھے۔ ان کے قابلِ اعتماد مددگاروں میں نہ صرف ہندو مسلمان اور سکھ تھے بلکہ یورپین اور اینگلو انڈین بھی تھے۔ اس طرح وہ اس تعصب سے بالاتر تھے جو ان لوگوں پر شک و شبہ کی نظر ڈالتا ہے جو نسل ذات پات یا مسلک کے اعتبار سے ہم سے مختلف ہوتے ہیں۔ ان کی باطنی ذہانت نے ہی ان کو ہمہ گیر اور بے تعصب نقطۂ نظر عطا کیا ہوگا۔

اس قسم کی وسیع الخیالی رعایا کی جانب ان کے رویے کا کردار تھی جن میں مسلمانوں کا بھی بڑا حلقہ تھا۔ اگرچہ سکھ سیاست اور خالصہ نظریہ اس اسلام کو دوستی کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا جس پر مغل شہنشاہ اور ان کے جانشین عمل کرتے تھے لیکن رنجیت سنگھ اس بات کے سخت مخالف تھے کہ وہ اپنی مسلم رعایا کو کسی قسم کے امتیازی سلوک یا سخت گیری کا شکار بنائیں اور وہ ان لوگوں سے بڑی سختی کیا کرتے تھے جو اس قسم کی غلطی کرنے کی جسارت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مسلمان مہاراجہ کے پاس یہ شکایت لے کر آیا کہ ایک سکھ نے اس پر سور کی کھال پھینک دی تھی تو رنجیت سنگھ نے حکم دیا کہ قصوروار کو مناسب سزا دی جائے۔ ان امراء کے بارے میں جو سکھوں کی حمایت اور سفارش کیا کرتے تھے مہاراجہ نے اس امر کا مشاہدہ کیا کہ اگر عبرت ناک سزا نہیں دی جائے گی تو سکھوں کے درمیان زیادہ جلد جیتے پسند سکھ ان کی مسلم رعایا کے لیے زندگی کو ناقابل برداشت بنا دیں گے۔

www.taemeernews.com

جب خیرات تقسیم کی جاتی تھی تو مسلم خانقاہوں کو ان کا حصہ ملتا تھا اگرچہ زیادہ تر حصہ ہندو مندروں اور سکھ گردواروں کو ملا کرتا تھا۔ رنجیت سنگھ خصوصی طور پر مسلمانوں کے فائدے کے لیے شکستہ مسجدوں کی مرمت کرا دیا کرتے تھے۔ وہی لاہور میں سنہری مسجد مسلمانوں کے کنٹرول میں دینے کا وسیلہ بنے تھے جبکہ انھوں نے شہر کو ان کے سکھ شاہوں کے حکمرانوں سے چھین لیا تھا۔ انھوں نے ۱۸۳۸ء میں شاہ شجاع کے لیے افغانستان کی تسخیر میں انگریزوں کا ساتھ دینے کی جو بات منظور کی تھی اس کی ایک شرط یہ تھی کہ سومناتھ کے ہندو مندر کے جو دروازے محمود غزنوی ۱۰۲۴ میں اپنے ساتھ لے گیا تھا وہ ہندوستان کو واپس کر دیئے جائیں۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ ان کی رعایا جن تمام مذاہب کو مقدس سمجھتی تھی ان کے لیے مہاراجہ رنجیت سنگھ کس قدر طبعی احترام رکھتے تھے۔

وہ جابر حکمران نہیں تھے

یہ بات عجیب و غریب معلوم ہو سکتی ہے لیکن رنجیت سنگھ جابر یا مطلق العنان حکمراں نہیں تھے۔ اگرچہ وہ لامحدود اختیارات رکھتے تھے لیکن وہ اپنے زیرک اور ذہین وزیروں اور لوگوں کی اجتماعی قوتِ ارادی کی جانب سے اپنی اصلاح کے لیے تیار رہتے تھے۔ وحید الدین نے اپنی کتاب میں فارسی زبان میں دو اہم ترین فرمانوں یا احکام کے متن کی نقل پیش کی ہے جن پر شاہی مہر ثبت ہے۔ یہ فرمان اس وقت لاہور میں فقیر خاندان کی تحویل میں ہیں۔

پہلا فرمان فقیر نورالدین کے نام ہے اس فرمان کا سیدھا سادہ ترجمہ یوں ہے۔

مہاراجہ پرزور الفاظ میں یہ حکم صادر کرتے ہیں کہ لاہور کے شہر
میں کسی بھی شخص کو جبر و استبداد سے کام نہیں لینا ہوگا اور لوگوں پر ظلم

www.taemeernews.com

نہیں ڈھانا ہوگا۔ اگر مہاراجہ لاہور کے کسی باشندے کے خلاف کوئی بھی نامناسب حکم جاری کرتے ہیں تو اس کی طرف واضح طور پر مہاراجہ کی توجہ دلانی چاہیے تاکہ اس میں ترمیم کردی جائے۔ اگر کوئی شخص آپ کے مشورے یا ہدایات کے مطابق عمل کرنے سے ناکام رہتا ہے تو آپ کو چاہیے کہ ایک رسمی خط ارسال کریں جو ایک ثبوت کا کام دے اور جس کی بنا پر مہاراجہ اس شخص کو حکم عدولی کی سزا دے سکیں۔"

دوسرا فرمان سردار امیر سنگھ اور فقیر نورالدین کے نام ہے اس میں عوام کو شہزادوں سرداروں اور درباریوں کی تعیش پسندیوں اور بے راہ رویوں سے بچانے کی کوشش کی گئی ہے یہ فرمان یوں ہے۔

اگر شہزادہ کھڑک سنگھ، شیر سنگھ، راجہ دھیان سنگھ، راجہ سچیت سنگھ یا جمعدار خوشحال سنگھ کوئی نامناسب فعل کرتے ہیں تو اس طرف مہاراجہ کی توجہ دلائیے دوسرے آپ اپنے قابلِ اعتماد نمائندوں کو یہ ہدایات دے کر سرداروں کے پاس بھیجیے کہ وہ نامناسب افعال کے ارتکاب سے گریز کریں۔ اگر وہ گریز نہیں کرتے تو اس معاملہ کی طرف مہاراجہ کی توجہ دلائیے آپ اس امر کی ہرگز نہ اجازت دیجیے کہ کوئی زبردستی کسی کی زمین پر قبضہ کر لے۔ کسی کا گھر بھی گرانے کی اجازت نہ دیجیے، لکڑہاروں، چارہ بیچنے والوں نعل بندوں پر زیادتی نہ ہونے دیجیے آپ کسی کو یہ اجازت نہ دیجیے کہ وہ کسی کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور مہاراجہ کے لیے جو درخواستیں ہوں وہ تمام درخواستیں ان کو ارسال کی جائیں۔۔۔۔ آپ کو چاہیے کہ آپ کوتوال کو ہر روز بلائیں اور اس سے تمام واقعات کی خبریں حاصل کریں۔ تاکہ ہر شخص کے حقوق محفوظ رہیں اور کسی بھی شخص پر ظلم نہ ڈھایا جائے۔"

www.taemeernews.com

اگرچہ ان احکام کے الفاظ بے ترتیب ہیں۔ لیکن ان سے صاف طور پر نمایاں ہوتا ہے کہ رنجیت سنگھ بادشاہوں کے حقوقِ الٰہی پر یقین نہیں رکھتے یا اس مفروضہ کو نہیں مانتے تھے کہ بادشاہ غلطی نہیں کر سکتا۔ دونوں فرمان اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ نہ صرف مہاراجہ اپنی خطاکاری سے آگاہ تھے بلکہ انھوں نے اس بات کا بھی انتظام کر دیا تھا کہ اُن کی اپنی کمزوری یا دیگر حکمرانوں (یا سرداروں) کی کمزوری کا نتیجہ جبر و استبداد کی صورت میں نہ نکلے۔ اس مقصد کو یوں بھی حاصل کیا گیا تھا کہ محل کے ایسے حصے میں جہاں آسانی سے پہنچا جا سکے۔ درخواستوں کا ایک بکس نصب کر دیا گیا تھا۔ وہ اس بکس کے تالے کی چابی اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔ وہ اس بکس کو خالی کرایا کرتے تھے اور درخواستیں پڑھوا کر سنا کرتے تھے۔ اس طرح ان سے جو گذارشات کی جاتی تھیں ان پر فوراً عملدرآمد کیا جاتا تھا۔

ایک اور مشفقانہ تحفظ آج کے زمانہ کے آئینی اقدام کی پیش بینی کرتا تھا۔ وہ تمام برادریوں کے افراد کو تمام بڑے اور چھوٹے محکموں میں ان کا مناسب حصہ دیا کرتے تھے آدمی کی قابلیت اور استحقاق کا بڑا لحاظ کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر ایک افسر سچائی کے ساتھ ان کا وفادار تھا یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عالی مرتبت ہندو اور سکھ شہری اور فوجی رہنماؤں کے علاوہ مسلمانوں کو بھی مناسب نمائندگی دی جاتی تھی۔ دو وزیر ایک گورنر دو جرنیل الٰہی بخش اور میاں غوث اور کئی مسلمان کرنل حکومت کی خدمت کیا کرتے تھے۔ وحید الدین کے بیان کے مطابق پولیس، عدالت اور سپلائی کے محکموں میں ۹۲ اعلیٰ مرتبہ کے مسلمان تھے ان ذرائع سے جائیداد عامّہ کی بہت اچھی دیکھ ریکھ اور حفاظت کی جاتی تھی۔

www.taemeernews.com

پچودھواں باب

رنجیت سنگھ کی شخصیت کی جھلکیاں — ۱

ان اسباب کی بنا پر جن کا ذکر اس کتاب کے مختلف حصوں میں کیا گیا ہے رنجیت سنگھ جدید پنجاب کی تاریخ میں اہم ترین مقام رکھتے ہیں۔ ایک باب میں اس اہمیت کا اندازہ لگانے اور ان کی بہت ہی عظیم الشان کامیابیوں کی قدر و منزلت کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن رنجیت سنگھ اتنے ہی عظیم انسان تھے جتنے کہ فوجی فاتح اور شہری ناظم تھے اور ان کی شخصیت کا یہ پہلو آج کے ہندوستانی قاری کے لیے توجہ اور دلچسپی کا حامل ہوگا۔ درحقیقت یہ خدوخال مثلوں یا جنگ کے مختلف میدانوں میں ان کے کام کی نسبت جن میں انھوں نے اپنے نام کی لاج رکھی مکمل انسان پر زیادہ روشنی ڈالتے ہیں جو اگرچہ یہ پھیلے ہوئے ہیں لیکن رنجیت سنگھ کو نہ صرف اپنے مداحوں کے لیے جیتا جاگتا بنا دیں گے بلکہ ان لوگوں کے لیے بھی جو غالباً ان سے پہلی بار روشناس ہو رہے ہیں۔

روزمرّہ کا دستور العمل

یہ بات عجیب دکھائی دے سکتی ہے کہ اپنی شہنشاہیت کے باوجود رنجیت سنگھ

www.taemeernews.com

باقاعدہ عادات رکھتے تھے۔ وہ صبح سویرے بیدار ہوا کرتے تھے اور جسمانی ورزش سے اپنے جسم کو چاق و چوبند رکھنے میں بڑے مستقل مزاج تھے اور اس جسمانی ورزش کی صورت یہ ہو چکی تھی، گھوڑ سواری، ہاتھی کی سواری یا ڈولی یا پالکی میں سواری پنجاب میں جسم کو جھٹکے دینے والی مقبول ورزش میں ان کے لیے کوئی نئی نہیں تھی۔ وہ ہر روز ڈنڈ پیلا کرتے تھے اور بیٹھکیں لگایا کرتے تھے۔ ریاست کے اس زمانے کے کاغذات میں دو "مونگلیوں" کے آرڈر کا ذکر ملتا ہے جن میں سے ہر ایک کا وزن پانچ سیر تھا۔ مونگلیوں کا دوسرا مجموعہ ذرا وزنی تھا۔ (چھ چھ سیر) اور یہ ان کی اس وقت کی صحت کے لیے بالکل موزوں تھیں۔ رنجیت سنگھ نے ابھی ابھی کسی بیماری سے شفا پائی تھی۔ صبح سویرے کی صحت بخش سرگرمی کا ایک حصہ "مگدر" ہوتے تھے یا وزن اٹھانے کی مشق ہوا کرتی تھی۔ کبھی کبھی وہ جسمانی ورزش کے لیے سیر کو بھی جایا کرتے تھے۔

ڈبلیو۔ جی آسبورن صبح کو سیر کے دوران رنجیت سنگھ کے ساتھ بسر کیے ہوئے کچھ وقت کی دلچسپ روداد بیان کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ "مہاراجہ ہر روز دیہات کی جانب اپنی پالکی میں جایا کرتے تھے وہ ناشتہ کے لیے اشتہا پیدا کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ رنجیت سنگھ کے ساتھ ۱۵۰ گھوڑ سوار، ۱۲ پونڈ کا گولہ پھینکنے والی توپ اور گھوڑے پر سوار دو درباری ہوا کرتے تھے۔ درحقیقت جب مہاراجہ دورے پر ہوا کرتے تھے تو ان کے ہمراہی سورج نکلنے پر ان کے خیمے کے آگے پریڈ کیا کرتے تھے اور متعدد گھوڑے بھی تیار کھڑے رہتے تھے ان پر کاٹھی اور لگامیں پڑی رہتی تھیں، ہاں پالکی اور ہاتھی بھی ہوتا تھا۔ دو فاضل ہاتھی ساتھ چلا کرتے تھے۔ ایک پر قالین شامیانہ لدا رہتا تھا اور دوسرے پر خوردنی اشیاء۔ سورج نکلنے کے تھوڑی دیر بعد اپنے خیمے سے باہر نکلتے تھے۔ گھوڑے پر سوار یا پالکی میں اور جدھر ان کا دل چاہتا تھا وہ دیہات کی جانب نکل کھڑے ہوتے تھے۔ وہ چار گھنٹے تک باہر رہتے تھے۔ پھر وہ

www.taemeernews.com

محل میں واپس آتے تھے اور دوپہر تک دربار میں بیٹھتے تھے اور اس کے بعد شام تک اپنے زنانہ کی خلوت میں آرام کرتے تھے۔

فی الحقیقت رنجیت سنگھ محل کے باہر اور کھلی فضا میں بعض اوقات صبح کے وقت دربار لگانے کے مخالف نہیں تھے۔ جب ایسا کرنے کو ان کا جی چاہتا تھا تو وہ سایہ دار درختوں کا جھنڈ چنا کرتے تھے اس جگہ کو فوراً تیار کر دیا جاتا تھا وہاں دربار لگتا اور مہاراجہ حسب معمول چار گھنٹے تک کام کرتے اور دوپہر تک کام ختم کر دیتے۔ پھر دوپہر کے کھانے کے لیے چلے جاتے۔ بہت سے مہمانوں نے یہ شہادت دی ہے کہ مہاراجہ کھانا کھانے میں بڑی باقاعدگی سے کام لیتے تھے۔ سر ہنری فین جو مہاراجہ کے پوتے نونہال سنگھ کی شادی میں گورنر جنرل کے نمائندے کی حیثیت سے شامل ہوئے تھے اپنی اس حیرت کا ذکر کرتے ہیں جو انھوں نے پریڈ کے دوران اپنے پہلو سے مہاراجہ کے یک بیک اٹھ کر چلے جانے پر محسوس کی تھی۔ انھوں نے مہاراجہ کی اس بے اطلاع اور غیر واضح عدم موجودگی پر جو برہمی محسوس کی تھی وہ تعریف و توصیف میں تبدیل ہو گئی جبکہ انھیں یہ معلوم ہوا کہ مہاراجہ کھانا کھانے چلے گئے ہیں۔ کھانا کھا چکنے کے بعد رنجیت سنگھ پھر اپنی نشست پر آ بیٹھے۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد مہاراجہ تقریباً ایک گھنٹہ تک آرام کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ پاٹھ والے کمرے میں چلے جاتے اور گرو گرنتھ صاحب کا پاٹھ سنتے۔ اس کے بعد وہ تھوڑی دیر کے لیے محل یا قلعہ میں ٹہلتے رہتے۔ ان کی اگلی مصروفیت وہ ہوتی تھی جسے وہ سہ پہری دربار کہا کرتے تھے جس میں وہ حساب کتاب کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ گھوڑ سواری کے لیے جایا کرتے تھے یا پریڈ کی نگرانی کیا کرتے تھے۔ اس طرح جب وہ باہر جاتے تھے تو ان کو لوگوں کی شکایات سننے کا وقت مل جاتا تھا۔

www.taemeernews.com

ناشتہ

آسبورن اور اس کے ساتھی نے ناشتہ نہیں کیا تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ان کو دعوت دی کہ وہ ان کے ساتھ ناشتہ کریں۔ وہ کچھ دیر سے مہاراجہ کے ساتھ تھے چند ہی منٹ میں اوّل درجہ کے انتظامات کر دیئے گئے۔ میز لگا دی گئی اور کرسیاں فراہم کر دی گئیں لیکن مہاراجہ پالکی میں بیٹھے رہے اور وہ پالکی ابھی تک کہاروں کے کندھوں پر تھی۔ اتنے میں ایک نوکر آگے بڑھا اور پیٹھ کے بل جھک گیا۔ اس کی پیٹھ پالکی کے فرش کے برابر ہو گئی اور اس طرح تھالی رکھنے کی میز بن گئی۔ مہمانوں اور میزبان کا ناشتہ ایک جیسا تھا۔ چاول، مختلف اقسام کے شوربے، مٹھائی اور دودھ۔ ان سب نے انگلیوں سے کھانا کھایا۔ رنجیت سنگھ خوش خوراک تھے۔ اس ناشتہ کی ایک قابلِ ذکر خصوصیت یہ تھی کہ خوردنی اشیاء آسبورن کے کہنے کے مطابق "نفیس ترین ٹھنڈے برتنوں" میں پیش کی گئی تھیں جن کو تازہ اور سبز پتّوں سے تیار کیا گیا تھا۔ ان کی بڑی باریک سلائی کی گئی تھی کہ ان میں سے سیال اشیاء کا ایک قطرہ بھی باہر نہیں گر سکتا تھا۔" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونے بنانے کا یہ نفیس فن وقت گزرنے پر معدوم ہو چکا ہے۔

خوراک

رنجیت سنگھ کو خوراک میں "زہر کی آمیزش" سے بچانے کے لیے ان کے ملازم جس احتیاط سے کام لیا کرتے تھے اس کی طرف توجہ دلانا نامناسب نہیں ہوگا۔ جس زمانہ میں رنجیت سنگھ رہتے تھے اس میں حکمران کے کھانے میں زہر ملانا ایک عام بات تھی۔ مہاراجہ کا کھانا ایک

www.taemeernews.com

خاص افسر حکیم بشن داس کی نگرانی میں تیار کیا جاتا تھا جو فقیر نورالدین کی مجموعی دیکھ بھال کے تحت کام کرتا تھا۔ جب مختلف اقسام کے پکوان تیار کر لیے جاتے تھے تو فقیر کی موجودگی میں ذائقہ چکھنے والے پیشہ ور ماہران کا ذائقہ چکھتے تھے۔ ان کو خوراک زہر کی آزمائش کرنے والے برتنوں میں دی جاتی تھی۔ ذائقہ چکھنے والوں پر اس خوراک کا اثر دو گھنٹے تک دیکھا جاتا تھا اگر خوراک ٹھیک ثابت ہوتی تھی تو پکوان کو ایسے برتنوں میں رکھ دیا جاتا تھا جن کے تالوں پر فقیر نورالدین کی خاص مہر لگا دی جاتی تھی۔ مہاراجہ کو یہ کھانا دیا جاتا تھا جسے چکھ لیا جاتا تھا اور جسے آزما لیا جاتا تھا۔ شاید ان کڑی احتیاطوں نے کسی کو زہر خورانی کی کوشش نہ کرنے دی لیکن زیادہ اغلب یہ بات ہے کہ مہاراجہ کی شخصیت اتنی طاقتور اور دلکش تھی کہ وہ ان کے دشمنوں کو اس برائی سے باز رکھتی تھی بہرحال موجود و محفوظ فارسی نسخوں میں اس قسم کی بے ایمانی اور غلط کاری کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

ادویات

انتظامیہ مہاراجہ کے لیے مخصوص ادویات کے سلسلے میں بھی اسی قسم کا خاص اور محتاط رویہ اختیار کیا کرتی تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ دیگر بہت سے اشخاص کی طرح ہر معالج سے صلاح مشورہ کرنے کے شائق تھے جس سے ان کا واسطہ پڑتا تھا لیکن وہ ان کی صلاح کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے اور صرف چند معالجوں کا علاج قبول کیا کرتے تھے۔ جب شملہ سے برطانوی وفد مہاراجہ کے کیمپ میں پہنچا تو فقیر عزیزالدین نے فوراً ہی اس وفد کے رکن ڈاکٹر ڈرمنڈ سے ملاقات کی۔ اس کے پاس ایک مراسلہ تھا۔ جس میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی صحت کے متعلق تفصیلات تھیں اور چند ادویات طلب کی گئی تھیں۔ اس طرح جو ادویات حاصل کی گئیں مہاراجہ اکثر انھیں استعمال نہیں کیا

www.taemeernews.com

کرتے تھے اس کے بجائے وہ پہلے چند سردلروں کو پلائی جاتی تھیں۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ وہ اپنی موجودگی میں اپنے درباریوں کو یہ ادویات نگلنے پر مجبور کیا کرتے تھے ان کے بعد ان درباریوں کو کچھ دیر کے لئے کمرے میں بند کر دیا جاتا تاکہ وہ ان کے جسم پر دواؤں کے اثر کا اندازہ لگا سکیں۔ یہ عمل صاف ظاہر ہے کہ اس لیے اختیار کیا جاتا تھا کہ بدنیت اشخاص کی جانب سے ان کے استعمال کے لیے منتخب کی گئی ادویات سے یا مکاری سے ان کے لیے بھیجی گئی ادویات سے ان کو گزند نہ پہنچے۔

رنجیت سنگھ عام طور پر موسم گرما کے مہینے وینا نگر (ضلع گورداسپور) میں ایک باغ میں گزارا کرتے تھے جس کے بیچوں و بیچ ایک نہر بہتی تھی وہ شال کے بنے ہوئے خیمے میں رہتے تھے جو آگے سے کھلا رہتا تھا وہ کھلی ہوا میں سویا کرتے تھے چند سپاہی پہرہ دیتے تھے۔ ان کی تلوار اور ڈھال ہمیشہ ان کے تکیہ کے پاس پڑی رہتی تھی۔ ایک گھوڑا جس پر زین پڑی رہتی تھی ان کے خیمہ کے سامنے صبح کی سیر کے لیے کھڑا رہتا تھا کہ اگر وہ صبح کو اس طرح کی سواری کرنا پسند کریں تو گھوڑا تیار ملے۔

غیر متزلزل گھوڑ سوار

رنجیت سنگھ کا قد چھوٹا تھا اور ان کو جھک کر جو چلنے کی عادت تھی اس کے باعث وہ جتنے پست قامت نہیں تھے اس سے بھی زیادہ چھوٹے نظر آتے تھے۔ جب آسبورن ان سے ۱۸۳۸ء میں ملا تو اس نے دیکھا کہ مہاراجہ جب چلتا ہے تو اس کی ٹانگیں کپکپاتی تھیں لیکن جب وہ ایک دفعہ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے تھے تو ان کی ساری کمزوری دور ہو جاتی تھی۔ درحقیقت گھوڑ سواری رنجیت سنگھ کی محبوب ترین ورزش تھی۔ فقیر خاندان کے بیان کے مطابق مہاراجہ کو جب کوئی پریشانی ہوتی تو وہ گھوڑ

www.taemeernews.com

سواری کے لیے نکل کھڑے ہوتے تھے اور گھوڑے کی پیٹھ پر ہی اہم فیصلہ کیا کرتے تھے۔ گھوڑوں کے لیے رنجیت سنگھ کے جوش و خروش کا ذکر کہیں اور کیا جا چکا ہے۔ ان کے گھوڑے قیمتی زین اور لگام سے آراستہ رہتے تھے اور ان کی کل قیمت ۵۰ لاکھ روپے سے کم نہیں ہوتی تھی۔ وہ ایک گھوڑے کے لیے ۲۰ ہزار یا اس سے زیادہ روپے دے کر ماتھے پر شکن نہیں لاتے تھے۔ وہ گھوڑوں کی صورت میں خراج لینے کے لیے بھی تیار رہتے تھے۔

مہاراجہ نے اپنے سرداروں کے ہمراہ روپڑ میں گھوڑ سواری کے حیرت انگیز کارناموں کا مظاہرہ کیا۔ وہ مشقوں میں شریک ہوئے اگرچہ ان کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ اس وقت بھی گھوڑے کی پشت پر بیٹھے بیٹھے انھوں نے تین بار "لوٹے" کو تلوار کی نوک پر اٹھالیا

بچّوں سے محبت کرتے تھے

اگرچہ رنجیت سنگھ موقع کی نزاکت کے مطابق بہت سخت گیر ہو سکتے تھے اور مضبوطی سے جذباتیت کو ترک کر سکتے تھے لیکن وہ بچوں سے پالتو پرندوں اور جانوروں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ان کی سرشت میں کافی رحمدلی تھی وہ اپنے گرد خوبصورت اور ذہین لڑکوں کی موجودگی پسند کرتے تھے اور اُن کے ساتھ کھیلا کرتے تھے وہ اکثر تفریح کے ان اوقات کو ان لڑکوں میں سے ہونہار لڑکے منتخب کرنے کے لیے استعمال کیا کرتے تھے اور ان کو اپنی ذاتی نگرانی میں پرورش کرواتے تھے تاکہ وہ بالغ ہو کر ان کے لیے کام کر سکیں۔ اس طرح جن لڑکوں نے نام پیدا کیا ان میں راجہ دھیان سنگھ کا بیٹا ہیرا سنگھ اور فقیر خاندان کے چند لڑکے شامل تھے۔

اس سلسلے میں آسبورن راجہ شیر سنگھ کے بیٹے پرتاپ سنگھ (پرتاپ) یعنی ہلالیہ

www.taemeernews.com

کے پوتے پر تعریف و توصیف کے پھول برساتا ہے۔ اگرچہ اس وقت اس کی عمر سات برس کی تھی لیکن اس کے لڑکے کو اس کے باپ نے برطانوی وفد کے ہمراہ کر دیا تھا۔ (جو رنجیت سنگھ سے ملنے جا رہا تھا) جبکہ وہ اس کی جاگیر میں سے گزر رہا تھا۔ پرتاپ سنگھ خوش پوش تھا اور وہ مزین ڈھال اور نوڑے دار بندوق لے کر چلتا تھا۔ انگریزوں نے اسے ذہین اور خوبصورت پایا۔ اس کی بڑی بڑی پُر ذہانت آنکھیں تھیں۔ اس کے تمام اطوار شائستہ تھے اور اس میں وہ گھبراہٹ نہیں تھی جو اکثر اس کی عمر کے لڑکوں میں پائی جاتی تھی۔ گورنر جنرل کی جانب سے پرتاپ سنگھ کو ایک طلائی گھڑی اور زنجیر پیش کی گئی اور لڑکے نے خوبصورت انداز میں شکریہ ادا کیا آسبورن کے بیان کے مطابق اس نے برطانوی وفد کو بتایا "براہِ کرم لارڈ آک لینڈ کو بتا دیجیے گا کہ انگریز حکومت شیر سنگھ کے بیٹے کو ہمیشہ اپنا دوست پائے گی"

بچوں اور خوبصورتی کے لیے رنجیت سنگھ کی محبت کی تمثیل پیش کرنے کے لیے مہاراجہ سے متعلق اپنی کتاب میں وحید الدین نے ایک عجوبہ کا ذکر کیا ہے یہ عجوبہ "پہیوں پر ایک بنگلہ" تھا۔ اس بنگلہ کی دیواریں چاندی کی تھیں۔ شال کے چھتر کی چھت تھی۔ اسے اتنی ہی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا جتنی خوبصورتی سے اس زمانہ میں سجایا جا سکتا تھا۔ آٹھ ہاتھی اس بنگلہ کو کھینچتے تھے اور اس میں داخل ہونے کے لیے سیڑھی استعمال کی جاتی تھی۔ تہوار یا میلہ کے موقع پر اس "پہیے دار" عمارت پر نکھار آتا تھا جبکہ شاہی خاندان کے بچے اور ان کے دوست تفریح کے لیے اس کی سواری کیا کرتے تھے۔ اس کی ایک خاص نوعیت یہ تھی کہ اس میں اسپرنگ نہیں تھے اس لیے اس بنگلہ میں بیٹھنے سے جھٹکے لگتے تھے اور بچے اس وجہ سے اور بھی خوش ہوتے تھے۔ یہ بنگلہ چھوٹی ٹرین کا پیش رو تھا۔ یہ چھوٹی ٹرین چند بڑے شہروں میں مثلاً دلی میں بچوں کی تفریح کے لیے چلتی ہے۔ رنجیت سنگھ داد و تحسین کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اسے ایجاد کیا۔ اور اس زمانہ کی مراعات یافتہ

www.taemeernews.com

بچوں کی خدمت پر اسے مامور کیا۔

پالتو جانور

ان کے کردار کا یہی رنگ پالتو جانوروں کے لیے ان پسندیدگی میں نظر آتا ہے وہ پالتو کبوتروں اور کرتب دکھانے والے بندروں کے بہت شوقین تھے۔ اور اپنے ہاتھوں سے ان کو خوراک دیا کرتے تھے۔ اگر کبوتر ان کے سر پر یا کندھوں پر بیٹھے ہوتے تھے تو یہ کوئی غیر معمولی نظارہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ ان کو ہر روز تھوڑا سا وقت ان کے ساتھ گزارنے کے لیے نکل جایا کرتا تھا۔ درحقیقت وہ ان کا کچھ اتنا زیادہ خیال رکھتے تھے کہ جب بہادر شاہ ظفر آخری مغل بادشاہ نے ان کو چند لقا کبوتروں اور کرتب دکھانے والے بندروں کا تحفہ بھجوایا تو انھوں نے ان کے پرتپاک خیر مقدم کا اہتمام کیا۔ اگرچہ وہ ذاتی طور پر بڑے بہادر اور حوصلہ مند انسان تھے اور ان کا مزاج بھی سپاہیانہ تھا پھر بھی ان کی زندگی میں عقابوں اور شاہینوں جیسے جنگلی پرندے کوئی مقام نہیں رکھتے تھے۔ اس رجحان کی مثال پیش کرنے کے لیے ان کے شکار سے متعلق ایک کہانی ہے۔ ایک دفعہ ان کے ساتھیوں نے شیر کا بچہ پکڑ لیا اور ان کے خیمہ کے قریب ایک پنجرے میں ڈال دیا۔ رات کو جب مہاراجہ نے سرسراہٹ اور کراہنے کی آواز سنی تو انھوں نے شکاریوں سے کہا کہ وہ اس کا سبب تلاش کریں انھوں نے آکر اطلاع دی کہ شیرنی اپنے بچہ کے غم میں رو رہی ہے۔ مہاراجہ نے حکم دیا کہ شیرنی کے بچے کو فوراً رہا کر دیا جائے۔

www.taemeernews.com

دلائل اور جوابی دلائل

آسبورن نے دیکھا کہ رنجیت سنگھ کی اپنی شکل وصورت دلکش نہیں تھی وہ کہتا ہے پہلی نظر ایک ناپسندیدہ احساس کو ابھارتی تھی جو قریب قریب تنفر کے مترادف ہوتا تھا۔ دوسری نظر ان کے چہرے میں اور ان کی ایک ہی آنکھ کی اضطراری کیفیت میں ذہانت کو نمایاں کرتی تھی۔ اٹھاون برس کی عمر میں بھی اُن کی لمبی اور سفید داڑھی اور ان کی مونچھیں ان کی عمر سے جو توقع کی جاسکتی تھی اس سے زیادہ واجب التعظیم شباہت عطا کرتی تھیں۔

مہاراجہ غالباً اپنی سادگی کی وجہ سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کرنے سے بہت گریز کیا کرتے تھے۔ وہ ریاست کی تقریبات کے سوا بہت کم جواہرات پہنتے تھے لیکن فقیر بھائی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اپنے گرد و پیش میں حسن و جمال رنگ و نور اور مسرت و شادمانی پاکر بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے درباری ہر لحاظ سے بہترین دکھائی دیں۔ شکل و صورت کے لحاظ سے خوبصورت ہونا نہ صرف دربار میں داخل ہونے کا بلکہ ترقی پانے کا یقینی پاسپورٹ تھا۔ آسبورن اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے کہ بیشتر سکھ سردار خوبرو تھے۔ اس نے راجہ سچیت سنگھ کو سب سے خوبصورت پایا۔ راجہ شیر سنگھ نفیس ترین شخص تھا اور مردانہ وجاہت رکھتا تھا۔ فقیر عزیز الدین کی شکل و صورت خوشگوار اور شگفتہ تھی۔ راجہ دھیان سنگھ اس مہمان کی نظر میں نسلِ انسانی کا ایک عظیم الشان نمونہ تھا دراز قد، تیز اور ذہین آنکھیں، اونچی اور خوبصورت پیشانی اور تیکھے خدوخال، رنجیت سنگھ نے اس طرح اپنی خوبصورتی کی کمی کو اپنے درباریوں کی خوبروئی سے، اپنے حرم میں عورتوں کی خوبصورتی سے

www.taemeernews.com

اور ان لوگوں کے حسن و جمال سے جن کے ساتھ وہ تفریح کیا کرتے تھے اور گھوڑوں اور ہاتھیوں کی دلآویزی سے پورا کر دیا تھا۔ مہاراجہ سے متعلق فقیر کی کتاب میں سردار شام سنگھ اٹاری والا کے بارے میں ایک کہانی بیان کی گئی ہے جو ایک روز ان کے دربار میں عظیم الشان زمردیں ہار پہنے ہوئے نمودار ہوئے۔ دوسری بار جب وہ آئے تو وہ ہار ان کے گلے میں نہیں تھا۔ مہاراجہ کے پوچھنے پر پتہ چلا کہ جوہری اس کے ستر ہزار مانگتا تھا اور سردار شام سنگھ اٹاری والا صرف ۵۰ ہزار روپے دے سکتے تھے رنجیت سنگھ نے حکم دیا کہ سردار شام سنگھ کو پوری رقم دی جائے تاکہ وہ اس ہار کو خرید سکیں اور پہن سکیں۔

مہاراجہ بہت سے دیگر حکمرانوں کی طرح بڑی آسانی سے اس خوبی پر بھی ناز کر سکتے تھے جو ان کے پاس نہیں تھی لیکن وہ اس قسم کی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوتے تھے۔ اس کے برعکس وہ اپنی کوتاہی کو تسلیم کر لیتے تھے اور اپنے مثبت اوصاف سے قوت حاصل کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کی عزیز ترین رانی موراں نے از راہِ مذاق ان سے پوچھا۔ "مہاراج! خدا جب حسن تقسیم کر رہا تھا آپ کہاں تھے؟" اس سوال پر خفا ہوئے بغیر کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ میں اس وقت خدا کے فرشتوں کو یہ ترغیب دینے میں مصروف تھا کہ ہتھیاروں کی قوت سے مجھے وہ ایک سلطنت فتح کرنے کی اجازت دیں۔ اسی قسم کا انکسار لاہور میں مغل تخت پر بیٹھنے سے رنجیت سنگھ کے انکار میں ملتا ہے اس تخت پر بیٹھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ مغلوں کے ناظم تھے یا وقار اور عظمت کے اعتبار سے ان کے برابر حکمراں تھے وہ ان دونوں تاثرات سے گریز کرنا اور فی الحقیقت اس یقین کو تقویت دینا چاہتے تھے کہ وہ ایک نئی سلطنت کے بانی تھے۔

www.taemeernews.com

پندرھواں باب

رنجیت سنگھ کی شخصیت کی جھلکیاں ـــ ۲

رنجیت سنگھ اگرچہ اَن پڑھ تھے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے لیکن وہ بہت ہی متجسس ذہن رکھتے تھے۔ جب کوئی غیر ملکی ان سے ملتا تھا تو وہ اس پر ہر موضوع سے متعلق ہر ممکن سوال کی بوچھار کرتے ہوئے ہچکچایا نہیں کرتے تھے۔ وہ باقی ہندوستان میں اور دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو اپنے آپ سے روشناس کرانے کے لیے اور ایسی معلومات کا اپنے ذہن میں ذخیرہ کرنے کے لیے بہت مشتاق رہتے تھے جو ان کو فوجی اور حکمتِ عملی کے اعتبار سے مدد دے سکیں۔ آسبورن اس ان تھک برق رفتاری کا ذکر کرتا ہے جس سے یکے بعد دیگرے سوالات کیے جاتے تھے اور وہ انواع و اقسام کے لامحدود موضوعات کا بھی ذکر کرتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے "کیا آپ شراب پیتے ہیں؟ کتنی پیتے ہیں؟ کس قسم کا توپ خانہ آپ اپنے ساتھ لائے ہیں؟ آپ کیسے گولے استعمال کرتے ہیں؟ کیا آپ کو گھوڑ سواری پسند ہے؟ کن گھوڑوں کو آپ ترجیح دیتے ہیں؟ کیا لارڈ آک لینڈ شراب پیتے ہیں؟ کتنے گلاس پی جاتے ہیں؟ کیا وہ صبح کو بھی شراب پیتے ہیں؟ کیا وہ شادی شدہ ہیں؟ کیا انگریز بیویاں بہت مہنگی پڑتی ہیں؟ کیا آپ نے کشمیری لڑکیاں دیکھی تھیں جو میں نے آپ کو بھجوائی تھیں؟

www.taemeernews.com

کیا وہ آپ کو پسند آئیں؟ کیا وہ انگریز عورتوں کی طرح خوبصورت ہیں؟ ایک انگریز کتنے فرانسیسیوں کو ہرا سکتا ہے، کتنے روسیوں کو؟ وغیرہ وغیرہ۔ مہاراجہ اس قسم کے سوالات گورنر جنرل سے پوچھتے ہوئے بھی نہیں گھبرایا کرتے تھے۔ لارڈ ولیم بنٹنک اور لارڈ آک لینڈ نے شاید ایسے چند سوالات پر گھبراہٹ محسوس کی ہو۔ کیونکہ انگریز اپنی فطرت کے اعتبار سے کم گو ہوتے ہیں لیکن وہ جلد ہی سمجھ گئے ہوں گے کہ رنجیت سنگھ کسی قسم کا گزند نہیں پہنچانا چاہتے تھے اور ہندوستانی آداب کے اپنے ہی مختلف انداز ہیں۔

نرم دل اور سخت گیر

رنجیت سنگھ ایک اچھے شوہر اور ایک اچھے باپ کے عام جذبات رکھتے تھے۔ وہ دکھیاروں پر بہت رحم کیا کرتے تھے۔ اس بات کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے کہ انھوں نے شیر کے بچے کی رہائی کا حکم صادر کیا تھا۔ جب شکار کی مہم کے دوران اسے پکڑ لیا گیا تھا اور شیرنی (اس کے خیمے کے قریب) اپنے بچے کے لیے کراہتی رہی تھی۔ انھوں نے یہ دیکھا تھا کہ جانور میں بھی ماں کا درد ہوتا ہے۔ ایک اندھی اور بوڑھی عورت کی کہانی بھی ہے۔ جسے یہ بتایا گیا تھا کہ مہاراجہ کے بدن سے چھو کر کوئی دھات بھی سونا بن جاتی ہے۔ ایک دن رنجیت سنگھ جب لاہور کے ایک بازار میں سے گزر رہے تھے تو اس عورت نے دہائی مچا دی۔ اسے ان کے قریب آنے کی اجازت دیدی گئی۔ فوراً اس عورت نے پیتل کا برتن اٹھایا اور مہاراجہ کے لباس پر ہر جگہ ملنے لگی۔ جب اس سے یہ پوچھا گیا کہ اس نے یہ بے ادبی کیوں کی تو اس نے اعتراف کیا کہ اس کے پاس چونکہ کوئی ذریعہ اور وسیلہ نہیں تھا اس لیے وہ چاہتی تھی کہ وہ برتن سونے کا بن جائے

www.taemeernews.com

مہاراجہ اس کے دکھ کی اس کہانی سے بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے حکم دیا کہ نہ صرف اس کا برتن طلائی اشرفیوں سے بھر دیا جائے بلکہ اسے حفاظت سے اس کے گھر پہنچایا جائے تاکہ جو سونا اسے ملا ہے اس کے پاس رہے۔

لیکن رنجیت سنگھ بڑے سخت گیر بھی ہو سکتے تھے جب کوئی موقع اس قسم کے رویّہ کا تقاضہ کرتا تھا۔ مثال کے طور پر جب دربار کی بقایا رقم کی وصولی کا معاملہ پیدا ہوتا تھا تو خون کا رشتہ بھی ان کے دل کو نرم نہیں کر سکتا تھا۔ راجہ کھڑک سنگھ مہاراجہ کے بڑے بیٹے کے ذمہ کچھ رقم بقایا رہ گئی اس وقت ان کی ماں راج کور کا انتقال ہو گیا تھا۔ لیکن جذبات نے مہاراجہ کو دربار کے فوجی بقایا رقم کی وصولی کے لیے شیخوپورہ بھیجنے سے نہ روکا۔ کھڑک سنگھ نے التجا کی کہ وہ اپنی ماں کا ماتم منا رہا ہے۔ مہاراجہ نے کہا کہ یہی وجہ ہے کہ انھیں ڈر ہے کہ وہ اپنی ریاست کی دیکھ بھال نہیں کر پائے گا۔ جب اس نے تحریری طور پر پانچ لاکھ روپے کی ضمانت مہیا کر دی تو فوج واپس بلا لی گئی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عزیز ترین گھوڑے دولو پر شہزادہ شیر سنگھ کی نظر تھی۔ شہزادے نے اپنے والد سے وہ گھوڑا حاصل کرنے کے لیے بہت سی التجائیں کیں لیکن بیسود اور جب شہزادہ اپنی اس خواہش کو ضبط نہ کر سکا تو اس نے اصطبل کے داروغہ کو حکم دیا کہ وہ سواری کے لیے گھوڑا اسے دیدے۔ جب دو لو تین چار دن کے بعد بھی واپس نہ آیا تو اس معاملہ کی اطلاع رنجیت سنگھ کو دی گئی۔ مہاراجہ کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے حکم دیا کہ شیر سنگھ کی جائیداد فوراً ضبط کر لی جائے اور شہزادے کو جلاوطن کر دیا جائے اس حکم کی تعمیل کر دی گئی ہوتی اگر حکمتِ عملی سے کام لے کر فقیر نورالدین نے مداخلت نہ کی ہوتی جو شہزادے کا استاد تھا۔ اس مداخلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف شیر سنگھ کو معاف کر دیا گیا بلکہ اس کے والد کی طرف سے گھوڑا بھی تحفے کے طور پر ملا۔

www.taemeernews.com

مذہب کی جانب رویّہ

رنجیت سنگھ اپنی نجی زندگی میں بڑے دین دار اور عبادت گذار تھے۔ اُن کے محل میں ایک کمرہ گرنتھ صاحب کے پاٹھ کے لیے وقف تھا اور وہ ہر روز دوپہر کو کچھ وقت "گربانی" سننے میں گزارا کرتے تھے۔ گرو گوبند سنگھ سے اپنی عقیدت کے طور پر وہ ہر روز عبادت کے دوران "گرو کی کلغی" اپنے سر پر رکھا کرتے تھے اور اس سے اپنی آنکھیں چھوا کرتے تھے۔ وہ اکثر نیک فال کے لیے گرو گرنتھ صاحب کا مشورہ لیا کرتے تھے۔ آسبورن کے بیان کے مطابق گرو گرنتھ صاحب سے رہنمائی حاصل کیے بغیر مہاراجہ کبھی کوئی اہم کام شروع نہیں کیا کرتے تھے۔ جب بھی ان کو کوئی شک ہوتا تھا یا کسی شش و پنج میں مبتلا ہوتے تھے تو وہ گرو گرنتھ صاحب کے اوراق میں کاغذ کے دو پرزے رکھ دیا کرتے تھے جس میں مسئلہ کے دونوں رُخ ہوتے تھے اس کے بعد وہ گرنتھی کو بلایا کرتے تھے اور اس سے کہا کرتے تھے کہ وہ کاغذ کا ایک پرزہ دیکھے بغیر چن لے اگر گرنتھی کا انتخاب مہم کی حمایت کرتا تھا تو وہ اس کا آغاز کر دیتے تھے اور ان کو فتح کا یقین ہوتا تھا اور اگر کاغذ کا دوسرا پرزہ چن لیا جاتا تھا تو وہ اس کا حکم مانتے تھے اور مہم ترک کر دیتے تھے۔

رنجیت سنگھ اپنے مذہب کے بہت پابند تھے لیکن متعصب بالکل نہیں تھے۔ وہ تمام مذاہب کا مساوی طور پر احترام کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جن مسلمان عورتوں سے انھوں نے شادی کی تھی ان کو اپنا مذہب برقرار رکھنے کی اجازت دے دی تھی۔ درحقیقت انھوں نے ان کے ساتھ شادی کے وقت بڑی احتیاط سے ان رواجوں کی پیروی کی تھی جو ان کے خاندان میں مروّج تھے۔ وہ بے ہودہ باتوں کو

www.taemeernews.com

پسند نہیں کیا کرتے تھے لیکن ہر مقدس بات کی عزت کرتے تھے۔ قطع نظر اس کے وہ کس مذہب سے وجود میں آئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہندوؤں کے مندروں، سکھوں کے گوردواروں اور مسلمانوں کی عبادت گاہوں میں جایا کرتے تھے اور وہ ان کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کیا کرتے تھے اور وہ ہر جگہ بھینٹ چڑھایا کرتے تھے۔ وہ تمام مذاہب کے پاکباز اشخاص کے پاس جایا کرتے تھے اور کبھی کبھی وہ اس حد تک پہنچ جاتے تھے کہ اپنی داڑھی سے ان کی خاکِ پا صاف کیا کرتے تھے۔ مذہب کے میدان میں وہ اپنے آپ کو معمولی آدمیوں سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ جب ان کو سکھ دھرم کے بنیادی اصولوں یا لازمی رسوم کی خلاف ورزی کرنے پر قصوروار ٹھہرایا گیا تو امرتسر میں اکال تخت کے سامنے کوڑے کھانے کے لیے انھوں نے پیٹھ ننگی کر دی تھی۔

رنجیت سنگھ ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کے تہواروں میں غیر جانب داری سے شریک ہوا کرتے تھے وہ ان کے تیرتھ استھانوں اور زیارت گاہوں میں جاتے ہوئے تعصب سے بے نیاز ہوتے تھے۔ وحید الدین اس بیان کا ذمہ دار ہے کہ مہاراجہ ایک بار مکہ شریف بھی گئے۔ بہر حال وہ عید الفطر کے جشن میں موجود ہوا کرتے تھے۔ اور ان کے بیٹے اور پوتے محرم کے ایام میں نذر وغیرہ پیش کیا کرتے تھے۔

وہ چونکہ اس بات کے قطع نظر کہ لوگ کس عقیدے سے تعلق رکھتے تھے۔ لوگوں کا ساوی احترام کیا کرتے تھے لہٰذا لوگ بھی ان کو دعا کرتے ہوئے یاد کیا کرتے تھے اپنی مذہبی وابستگی کی پراہ نہ کرتے ہوئے تمام اہم ترین مواقع پر یعنی نئی مہم یا جنگ شروع ہونے پر، میدانِ جنگ میں فتح ہونے پر، بیماری شروع ہونے پر یا اس سے ان کے شفا پانے پر شکریہ کے طور پر لوگ مختلف عبادت گاہوں میں اُن کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔

www.taemeernews.com

مہاراجہ سے لوگوں کی محبت کا اس سے بہتر کوئی اور ثبوت اس حقیقت کے سوا پیش نہیں کیا جا سکتا کہ جب اس کی نعش چتا پر آخری رسوم کے لیے رکھی ہوئی تھی تو ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کے بعد دعا کی۔

لاہور میں فقیر خاندان کا محافظ خانہ مذہبی امور میں رنجیت سنگھ کی وسیع الخیالی کا ثبوت فراہم کرتا ہے اس سلسلہ میں وحید الدین دو کہانیاں بیان کرتے ہیں۔ ایک دن مہاراجہ اور فقیر عزیز الدین باہر سیر کو گئے ہوئے تھے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا جو ایک چھکڑے میں ضخیم کتاب لیے جا رہا تھا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ ایک کاتب تھا اور اس کے چھکڑے میں جو بہت بڑی کتاب تھی وہ قرآن مجید تھا۔ یہ میرا عمر بھر کا کام ہے اور میں اسے نظام کے پاس بیچنے کے لیے حیدرآباد لیے جا رہا ہوں۔ مزید استفسار پر اس نے اس کتاب کی قیمت دس ہزار روپے بتائی (یہی اسے توقع تھی) مہاراجہ نے اپنے وزیر خارجہ سے کہا کہ وہ خزانہ میں سے اس شخص کو اتنی رقم دے دے اس کے بعد فقیر عزیز الدین سے کہا کہ وہ چند سطریں پڑھ کر سنائے۔ اور پنجابی میں اس کا ترجمہ کرے۔ کتاب کے اقتباس پر رنجیت سنگھ نے یہ رائے زنی کی کہ اس موضوع پر قرآن مجید اور گرنتھ صاحب جو کچھ کہتے ہیں اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ عزیز الدین بولا "منزل ہر حالت میں ایک ہے صرف راستے مختلف ہیں" مہاراجہ اس خیال سے بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے قرآن مجید کا مسودہ ان کو بطور تحفہ دے دیا۔

دوسری کہانی یوں ہے کہ سکھوں کے ایک وفد نے ایک دفعہ مہاراجہ سے پڑوس میں موجود ایک مؤذن کی شکایت کی کہ وہ دن بھر میں پانچ بار بآوازِ بلند دین دار مسلمانوں کو عبادت کے لیے پکارتا ہے۔ غیر مسلموں کے کام میں خلل پڑتا ہے یہ اذان بند ہونی چاہیے۔ عزیز الدین نے ایک مشورہ دیا اور رنجیت سنگھ

www.taemeernews.com

نے اسے منظور کر لیا۔ رنجیت سنگھ نے کہا کہ ان کی درخواست منظور کر لی جائے گی بشرطیکہ وہ اپنے پڑوس میں ہر مسلمان گھر میں جا کر ان کے مکینوں کو عبادت کے لیے بلا لایا کریں گے۔ وفد میں شامل اصحاب جلد ہی یہ درخواست لے کر آ گئے کہ یہ حالات جوں کے توں رہنا چاہئیں۔ اپنے دستور العمل میں شدید گڑبڑ کے تجربہ کی نسبت آذان کو گوارا کرنا زیادہ آسان تھا۔

www.taemeernews.com

سولھواں باب

کارِنمایاں اور تاریخ میں مقام

چالیس سال کی حکومت کے دوران رنجیت سنگھ کے مجموعی کارِنمایاں پر نظر ڈالتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ اس مدت میں رونما ہونے والے بڑے بڑے واقعات پر طائرانہ نظر ڈالی جائے اور اس کا موازنہ پہلے کے واقعات سے اور بعد میں آنے والے واقعات سے کیا جائے۔ اس علاقہ میں ہندو، سکھ اور مسلمان رہتے تھے ان کے مذہب اور ان کی ثقافت میں فرق تھا۔ پنجاب میں مسلم یا مغل اقتدار کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ افغان حملہ آور دہلی یا پنجاب میں حکومت کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ ان کے وقتاً فوقتاً حملوں نے سکھوں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ ان کی مخالفت کے لیے متحد ہو جائیں۔ لیکن ان کا یہ اتحاد نادرشاہ اور ابدالی کے خلاف ہی برقرار رہا۔ جہاں تک باقی باتوں کا تعلق ہے وہ زیادہ تر خودمختار ہی رہے اور اپنے قلعوں میں جم کر بیٹھے رہے اور اس علاقہ سے مالیہ جمع کرتے رہے جس پر ان کا قبضہ تھا۔ چند سالوں میں وہ جمنا اور جہلم کے درمیان واقع علاقہ پر قابض ہو گئے۔ متعدد مثلوں یا ریاستوں کے اتحادوں نے فروغ پایا۔ ان کا اکثر آپس میں جھگڑا رہتا تھا لیکن ایک مشترک دشمن کا سامنا کرتے ہوئے وہ متحد ہو جایا کرتی تھیں۔

www.taemeernews.com

ان کے درمیان، ہی رنجیت سنگھ نمودار ہوئے اور وہ بہت جلد ان پر غالب آگئے۔ ۱۷۹۹ء میں لاہور پر قبضہ کے بعد انھوں نے مہاراجہ کا لقب اپنا لیا۔ مختلف مثلوں کے سرداروں کو اپنا مطیع کر لیا اور اپنے آپ کو ان کا رہنما بنا لیا۔ اب انھوں نے دوسرے علاقوں کو اپنے میں ملانا شروع کر دیا اور اس طرح ان کی سلطنت پھیلتی چلی گئی اور وہ زیادہ طاقت ور ہوتے چلے گئے ۱۸۰۹ء میں انگریزوں سے معاہدے نے ستلج کو ان کی سلطنت کی جنوبی سلطنت بنا دیا۔ انھوں نے ملتان کو ۱۸۱۸ء میں اور کشمیر کو ۱۸۱۹ء میں فتح کیا اور انھوں نے اپنی فرمانروائی کو ۱۸۲۱ء میں سندھ کے پار تک پھیلا دیا۔ لہٰذا ہمیں ان کے کارناموں میں یہ کارنامہ بھی شامل کرنا چاہیئے کہ انھوں نے پنجاب کو متحد کیا اور افغان حملوں کے خلاف اپنی سلطنت کی کامیابی سے حفاظت کی۔ اگر مہاراجہ نے شمالی مغربی سرحدی علاقہ اور کشمیر کو اپنے علاقہ میں نہ ملایا ہوتا تو یہ بات غیر اغلب نہیں تھی کہ افغانستان نے اس پر قبضہ کر لیا ہوتا۔

اس کارنمایاں کا سیاسی پہلو اور بھی اہم ہے کیونکہ اس نے ایک پائیدار اثر کو جنم دیا۔ آغاز میں سکھوں کی مثلیں زیادہ تر دینی حکومتیں تھیں اور خالصہ کی علمبرداری کرتی تھیں۔ رنجیت سنگھ کے ابھار نے اس قوت کو نئی سمت دی۔ ریاستوں کے اتحاد کے زوال اور ان کی حکومت میں مزید اقتدار کے اضافہ کا مطلب یہ تھا کہ دینی حکومت آہستہ آہستہ ختم ہوتی چلی گئی۔ مہاراجہ نے سکھ دھرم سے کبھی ناطہ نہیں توڑا تھا۔ درحقیقت وہ اپنے دھرم کے سلسلے میں بہت پرخلوص تھے اور اس کے پرستار تھے۔ لیکن وہ اس بات کو بہت پہلے سمجھ گئے تھے کہ اگر ان کو بلا لحاظ مذہب وملت اپنی تمام رعایا کا اتحاد حاصل کرنا ہے تو ان کو دیگر مذاہب اور ان کی پیروی کرنے والے لوگوں کی خوش حالی کی فکر کرنی ہوگی۔ لہٰذا غالب سکھ فوج کی قیادت کرتے ہوئے جب وہ ایک سکھ کی حیثیت سے مثل دار کو شکست دیتے تھے تو وہ اپنی

www.taemeernews.com

پالیسی کو مزید وسعت دیدیتے تھے جو بتدریج ایک سیکولر (لادینی) پالیسی بن گئی۔ شاید یہی ایک عنصر مذہبی امرتسر سے سیکولر لاہور میں راجدھانی کے انتقال کا ذمہ دار ہو۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ یہ تھا کہ رنجیت سنگھ نے بتدریج گورمتہ کو ختم کردیا۔ سکھ رہنماؤں کا ایک پرانا رواج تھا کہ وہ ہر سال صلاح مشورہ کے لیے امرتسر میں جمع ہوتے تھے تاکہ آئندہ اقدام کے بارے میں فیصلہ کرسکیں۔ رنجیت سنگھ بھی مقدس شہر میں جایا کرتے تھے لیکن اس وقت جب ان کی کسی فوجی مہم کا منصوبہ تیار ہوجاتا تھا۔ وہ ہر مندر صاحب کی آشیرواد میں امدادِ الٰہی اور خالصہ کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ اس بات کو اس نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے کہ وہ دیگر مذاہب یعنی ہندو دھرم اور اسلام کی سرپرستی بھی کیا کرتے تھے۔ وہ اپنی رعایا کے مختلف فرقوں کے جائز مفادات کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ وہ مجموعی طور پر لوگوں کے لیے روزگار کے مواقع فراہم کرنے سے ایک مشترکہ معاشی مفاد پیدا کیا کرتے تھے۔ اگر سکھ رسالہ کو ترجیح دیتے تھے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کو پیدل فوج میں لے لیا جاتا تھا۔ وہ اعلیٰ عہدے مختلف فرقوں، عقائد اور نسلوں کے موزوں افراد میں تقسیم کرنے میں وسیع القلبی کا ثبوت دیتے تھے۔ امرار کو فوقیت دینے کے بجائے وہ کم درجہ کے شخص کو ترقی دے کر بہت خوش ہوتے تھے۔ مثال کے طور پر خوشحال سنگھ ایک دوکاندار کا بیٹا تھا۔ مہاراجہ کے اس رجحان کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے بہت سے درباری اپنے "غریب رشتہ داروں" پر ان کی توجہ مرکوز کرواتے تھے تاکہ ان کے لیے روزگار حاصل کرسکیں اور ان کو اپنے گروہ کی طاقت کے لیے آڑ کے طور پر استعمال کرسکیں۔ ہر گروہ رنجیت سنگھ کی عنایت اور نوازش حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی

www.taemeernews.com

کوشش کیا کرتے تھے۔

وہ ان مقابلوں سے واقف تھے۔ وہ فریقین کو ایک دوسرے کے خلاف متوازن رکھنے اور ان کی روک تھام کے لیے اس بات کو استعمال کرتے تھے۔ اس طرح وہ ایک گروہ کو ناجائز طور پر طاقتور نہیں ہونے دیتے تھے۔ سرداروں کے سلسلے میں بھی اسی پالیسی پر عمل کیا جاتا تھا۔ ان کو حکومت کے نوابوں میں غیر مناسب حصہ نہیں دیا جاتا تھا اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں یورپینوں خاص طور پر دو فرانسیسیوں الاڑد اور ونتورا سے کبھی حسد نہ کرتے مختلف فریقین کے درمیان اقتدار کو مساوی طور پر تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس رویہ میں ہر ایک سیکولرزم اور جمہوریت کے آغاز کی ہلکی سی جھلک دیکھ سکتا ہے اگرچہ یہ دونوں باتیں ایک مطلق العنان بادشاہ کی ذہانت کی پیداوار تھیں۔ مہاراجہ کا یہ اہم ترین کارنامہ ہے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مطلب علاقائی قومیت کی بنیاد رکھنا تھا۔ لیکن کچھ ایسے اشارے بھی ملتے ہیں کہ رنجیت سنگھ ایک مقررہ منصوبہ پر عملدرآمد کیا کرتے تھے۔ یا وہ اپنے نقطۂ نظر کے ممکن نتائج سے شعوری طور پر واقف ہوا کرتے تھے۔ وہ بلاشک و شبہ اپنے گرد و پیش سے بالاتر رہا کرتے تھے اور ٹھوس بنیادوں پر روایات اختیار کیا کرتے تھے یا ان کو تبدیل کر دیا کرتے تھے۔ ماضی پر نظر ڈالی جائے تو وہ جنم سے ہی حقیقی معمار قوم تھے۔ بہرکیف یہ ذکر نامناسب نہ ہوگا کہ وہ جتنا جانتے نہیں تھے اس سے زیادہ انھوں نے قوم کو تعمیر کیا اور اس کا جو اثر ہوا وہ وقت اور مقام کی حدود میں سماجی اور سیاسی طور پر مقصد کی نسبت زیادہ مفید ثابت ہوا۔

یہ بات صرف ان کی اپنی حکومت کے سالوں سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ ان کی حکومت کے بعد حرارت خانہ کا پودا تیزی سے سوکھ گیا اور مرجھا گیا۔ اس زوال کے ذمہ دار عناصر پر بھی نظر ڈالی جائے گی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب تک وہ

www.taemeernews.com

برسرِ اقتدار رہے لوگوں کو منصفانہ اور فیاض انتظامیہ ملا۔ جس میں امتیازی سلوک سے گریز کرنے اور دستیاب اقتدار میں اپنا اپنا حصہ حاصل کرنے کے لیے تمام فرقوں کو منصفانہ مواقع فراہم کرنے کی شعوری طور پر کوششیں کی گئیں۔ ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی جس سے یہ ظاہر ہو کہ آبادی کا کوئی حصہ اس عقیدے کے باعث جس کی وہ پیروی کر رہا ہو یا اس نسل کے باعث جس سے وہ تعلق رکھتا ہو خاص گروہوں یا زیادتیوں کا شکار رہا ہو۔ اس کے برعکس رنجیت سنگھ سے محبت اور ان کی تعریف و توصیف میں لوگ بہت جوش و خروش کا اظہار کرتے تھے۔ یہ بات نہیں تھی کہ ان کو وہ بنیادی حقوق حاصل تھے جو ہندوستان کے آئین میں اب ان کے لیے فراہم کیے گیے ہیں۔ امرا زمین سے ہونے والی آمدنی پر زندہ رہتے تھے اور عام آدمیوں کو کم مراعات حاصل تھیں۔ بہت سے افسر انتہائی سخت گیر تھے اور ظالم بھی تھے۔ لیکن مہاراجہ حدِ ممکن تک ایک اچھی مثال قائم کیا کرتے تھے اور جو لوگ ان کے احکام کی خلاف ورزی کیا کرتے تھے ان کو کڑی سزا دی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں سیاسی فلسفہ داں جس مساوات اور قانون کی حکومت کا ذکر کرتے ہیں وہ آج بھی حاصل نہیں ہوئی ہے اگرچہ رنجیت سنگھ کی موت کو ۱۳۰ سال گزر چکے ہیں۔ انھوں نے اس بات کے لیے کوشش کی تھی کہ وہ مختلف فرقوں کے مختلف مفادات میں مصالحت پیدا کریں اور جبر و استبداد اور لوٹ کھسوٹ کا قلع قمع کر دیں۔

آئیے اب ہم رنجیت سنگھ کی کامرانیوں اور ناکامیوں کا حساب لگائیں۔ ان کی کامرانیوں کا حصہ زیادہ ہے۔ جب وہ منظرِ عام پر نمودار ہوئے تھے تو پنجاب متعدد ریاستی اتحادوں میں منقسم تھا۔ وہ اکثر ایک دوسرے سے جھگڑتے رہتے تھے۔ ان کے ایک طرف افغان تھے اور دوسری طرف مرہٹے تھے اور ان کے پہلوؤں پر انگریز تھے جو اپنے تسلط کو مزید توسیع دینا چاہتے تھے۔ مہاراجہ نے چھوٹے چھوٹے مثل

www.taemeernews.com

سرداروں کو اور ان چھوٹی ریاستوں کو جن پر وہ حکمرانی کرتے تھے ایک سلطنت میں متحد کر دیا۔ انھوں نے مسلمان حکمرانوں کو سرنگوں کیا اور افغانوں کو ان کے گھر میں جا کر للکارا تھا۔ افغان توسیع پرستی کو کچلنے کے بعد انھوں نے انگریزوں سے سمجھوتہ کیا اور ان کو دشمن بنانے کے بجائے دوست بنایا اور دونوں نے عدم مداخلت کی پالیسی پر عمل کیا۔ انھوں نے اپنی مسلح قوت کو ایک منظم بنیاد عطا کی اور رسالہ پر زیادہ توجہ مرکوز کرنے کے بجائے جیسا کہ ان کے پیش رو اور ہمعصر سرداروں نے کیا تھا۔ انھوں نے مضبوط پیدل فوج اور توپ خانہ کے ہتھیار فراہم کیے۔ ان کے آدمی فن حرب وضرب کی تربیت حاصل کر چکے تھے جب ان کا انتقال ہوا تو ان کی فوج حقیقی اقتدار کا حربہ بن چکی تھی۔ ان کی فوج میں ۵۰ ہزار سپاہی تھے۔ جو پوری طرح مسلح اور تربیت یافتہ تھے۔

لیکن ان کی فوجی قیادت اور کامرانیاں ان کے کارنمایاں کا صرف ایک حصہ ہیں وہ مغل شہنشاہوں میں سے بہترین مغل شہنشاہ اکبر کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ شہری نظم ونسق کے میدان میں بہادری اور حوصلہ مندی سے مذہبی اور نسلی رواداری کے اعتبار سے اور ذہانت واستعداد کو ڈھونڈھ نکالنے کی نظر کے اعتبار سے وہ اکبر کے ہمسر تھے وہ کسی کا رتبہ بڑھانا اور گھٹانا بھی جانتے تھے۔ جو لوگ جنگ یا امن میں نام پیدا کرتے تھے ان کو وافر انعامات دیئے جاتے تھے۔ لیکن وہ ان امراء کو برطرف کرتے ہوئے ہچکچاتے نہیں تھے جو جبر واستبداد سے دولت مند بن جاتے تھے جن کے وسیع ذرائع ان کو زیادہ حریص بنا سکتے تھے اور ان کو ایسے مقام پر پہنچا سکتے تھے جس پر وہ ان کی فوقیت اور سرداری کو چیلنج کر سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے مقاصد کے لیے کون سے ذرائع موزوں رہیں گے۔ اگرچہ انھوں نے جنرل اوی تابلے کو شمال مغرب میں قبائلیوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے سخت گیر ذرائع استعمال کرنے کی

www.taemeernews.com

اجازت دیدی تھی۔ لیکن منظم اور آباد اضلاع میں ان کی حکومت انصاف پسند اور نرم تھی وہ آہنی ہاتھ سے کھلی رہزنی کا قلع قمع کر دیتے تھے اور ان افسروں کو سزا دینے کے لیے دورے پر جایا کرتے تھے جو اپنے اقتدار اور اپنے اختیار کا غلط استعمال کیا کرتے تھے۔ ایک گاؤں پر جہاں رہزنی کی واردات ہوئی تھی تعزیری ٹیکس لگا دیا گیا تھا تاکہ لوٹے یا چرائے ہوئے مال کی قیمت ادا کی جائے۔ رسالہ کے آدمیوں کو غذائی اشیاء حاصل کرنے کے لیے تاخت و تاراج کرنے کی اجازت نہیں تھی اور جب کوئی علاقہ قحط کا شکار ہوتا تھا تو اس کا مالیہ اکثر معاف کر دیا جاتا تھا۔ بہت سے مواقع پر بلا لحاظ مذہب و ملت نقدی اور سامان کی صورت میں بھاری رقوم تقسیم کی گئیں اگرچہ ان کی ظاہری شکل و صورت دلکش نہیں تھی لیکن ان کی وضع قطع اور برتاؤ ایک بادشاہ جیسا تھا اور فقیر عزیزالدین نے کوئی بیجا تعریف نہیں کی تھی جب اس نے ایک انگریز کو یہ بتایا تھا "ان کے چہرے پر ایک ایسا جلال ہے کہ میں نے کبھی نزدیک سے یہ دیکھنے کی جسارت نہیں کی ہے کہ ان کی کون سی آنکھ بے بصر ہے"

مہاراجہ سے جو غیر ملکی ذاتی طور پر ملے ان کے بہت سے خراجِ تحسین میں سے دو نمائندہ مثالیں مناسب ہوں گی پہلا خراجِ تحسین لیفٹیننٹ فین نے پیش کیا جس کا ذکر بہت سی جگہ کیا جا چکا ہے۔

> اپنی رعایا کے درمیان رنجیت سنگھ کا عام کردار یہ ہے کہ وہ ایک مہربان اور فیاض آقا ہے اور ان بہترین شہزادوں میں سے ایک ہے جنھوں نے ہندوستان پر حکومت کی ہے وہ واقعی نیک اور ہر دلعزیز انسان ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ بچوں پر بہت مہربان ہے۔ (اس کے دربار میں دو تین بچے گھٹنوں چلتے رہتے ہیں) اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب سے اس نے اس علاقہ پر فتح حاصل کی ہے کسی شخص کو اس کے

www.taemeernews.com

ہولناک جرائم کے باوجود موت کے گھاٹ نہیں اتارا ہے۔"

دوسرا تجزیہ مس ایملی ایڈن نے پیش کیا ہے جو اپنے بھائی لارڈ آک لینڈ کے ہمراہ رنجیت سنگھ سے فیروز پور، امرتسر اور لاہور میں ملی تھی۔

"وہ ایک عظیم بادشاہ بن گئے ہیں۔ انھوں نے بہت سے طاقتور دشمنوں کو مغلوب کر لیا ہے۔ وہ اپنی حکومت میں حیرت انگیز حد تک انصاف پسند ہیں۔ انھوں نے ایک بہت بڑی فوج کو منظم کیا ہے وہ کسی کی جان نہیں لیتے ہیں اور ایک مطلق العنان بادشاہ ہیں۔ یہ بات بہت ہی دلآویز ہے اور ان کی رعایا ان سے بے حد محبت کرتی ہے۔"

رنجیت سنگھ کی چند کمزوریوں سے سب بخوبی واقف ہیں۔ لیکن ان میں سے چند کمزوریوں کو ان کے اوصاف کے نقائص تصور کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کو زمین کی سخت بھوک تھی لیکن اگر ان کی یہ اشتہا ان کو تحریک نہ دلاتی تو سکھ مثلیں مرہٹوں اور بعد میں انگریزوں کے حوالے کر دی گئی ہوتیں۔ رنجیت سنگھ نے ان کو جو ایک سلطنت میں متحد کیا تو اس بات نے نہ صرف نصف صدی تک انگریزوں کو پنجاب سے دور رکھا بلکہ اس نے قوم پرستی کی بنیاد رکھی۔ ان کی پالیسیاں اور عوامل ایک سیکولر ریاست کے پیش خیمہ تھے۔ جب وہ کسی علاقہ کو اپنے علاقہ میں ملا لیتے تھے تو وہ خراج بھی لیا کرتے تھے۔ بہر کیف اسے لالچ یا لوبھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ فوجی مہمات پر روپیہ صرف ہوتا تھا لہٰذا خرچ پورا کرنا ضروری تھا۔ یہ خراج رنجیت سنگھ کے تفوق کی علامت بھی ہوتا تھا۔

مہاراجہ اپنی نجی زندگی میں بظاہر شراب اور عورتوں اور ان دونوں کی ہمدمی کے بہت شائق تھے اس لحاظ سے وہ اس طرزِ عمل سے بالاتر نہیں تھے جو عظیم قائدوں اور کمانڈروں کے درمیان مشترک تھا۔ بہر کیف اِس عادت کی تلافی یوں ہو جاتی تھی کہ ضرورت کے وقت وہ اسے دبا سکتے تھے۔ جب فرض کی صدا ان کے کانوں میں گونج اٹھتی تھی

www.taemeernews.com

تو جنسی تلذذ یا شراب ان کو روک نہیں سکتے تھے اور جب وہ کسی مہم یا ریاست کے معاملہ میں الجھ جاتے تھے تو بالکل آرام نہیں کیا کرتے تھے رات کو جب وہ اپنے ذہن میں کسی معاملہ پر غور کرنے کے بعد کسی فیصلہ پر پہنچ جاتے وہ صبح ہوتے ہی فقیر عزیز الدین کو طریق عمل کی تفصیلات بتانے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

رنجیت سنگھ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے تشدد اور فریب سے کام لیا کرتے تھے۔ ایسے عہد میں اور ایسے ماحول میں جبکہ ان باتوں کو "کاروبار کے داؤ پیچ" شمار کیا جاتا تھا۔ رنجیت سنگھ بہت سادہ لوح ہوتے اگر ان کو اپنے ترکش یا اسلحہ خانہ میں نہ رکھتے۔ جب ان کے تمام وسیلے ناکام ہو جاتے تھے تو وہ فریب کا جواب فریب سے اور تشدد سے دیا کرتے تھے۔ یہ امر واقع ہے کہ وہ ایک ایسا دور تھا کہ "پُرامن ذرائع" استعمال کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ ان کے حریفوں یا رقیبوں نے ان کو مقابلہ کی دعوت دی تھی ہمیں یہ توقع رکھ کر کہ رنجیت سنگھ اپنے عہد کے طور و اطوار اور طرزِ عمل سے بالاتر ہوں گے ان سے ناانصافی نہیں کرنی چاہیے۔ وہ اس لحاظ سے اپنے ہمعصروں سے بہت بلند تھے کہ وہ انتقام لیتے تھے تو وہ فیاضی بھی دکھاتے تھے اور دشمن کو مطیع کر لینے کے بعد اسے اپنا دوست بنانے کی کوشش کرتے تھے۔

رنجیت سنگھ نے اپنی چالیس سال کی حکومت میں جو عمارت تعمیر کی تھی ان کی موت کے چند سال بعد اس کا مکمل اور برق رفتار انہدام ان کمزوریوں کو نمایاں کرتا ہے جو ان کی حکومت میں در آئی تھیں۔ اس ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ انھوں نے تمام اختیارات بڑی حد تک اپنے ہاتھوں میں مرکوز کر لیے تھے۔ این کے مہنا کے الفاظ میں: "مہاراجہ کی روپوشی نے جگہ خالی نہیں کی بلکہ ایک خلا پیدا کیا جس میں حکومت کا تمام ڈھانچہ غرق ہو گیا۔ سردار اور جاگیردار کمزور تھے لیکن خالصہ فوج رنجیت سنگھ کے جانشینوں کے لیے بہت طاقت ور تھی۔ ایک اور قابلِ افسوس بات یہ تھی کہ جن جرنیلوں پر مہاراجہ کو

www.taemeernews.com

اعتماد تھا وہ ان سے پہلے وفات پا گئے تھے اور جن کو حالات نے اقتدار بخشا وہ کمزور یا خود غرض اور مکار تھے۔ فوج نے جلد ہی ان کا کام تمام کر دیا۔ جانشینی سے متعلق جھگڑوں نے ریشہ دوانیوں کو جنم دیا۔ جنھوں نے ایک ایک کر کے سب کو ختم کر دیا۔ انگریزوں نے اب تک اپنا ہاتھ روکے رکھا تھا۔ اب انھوں نے میدان خالی پایا۔ انھوں نے رنجیت سنگھ کی سلطنت کی پہلے ہی حد بندی کر دی تھی اور مشرق اور جنوب میں ان کو نقل و حرکت کرنے سے روک دیا تھا۔ ان کی موت پر اور اندرونی جھگڑے پیدا ہونے پر لارڈ ڈلہوزی نے پنجاب میں اپنی توسیع کی پالیسی کو لگام دیئے رکھنے کی کوئی وجہ نہ سمجھی۔ سکھ سردار اور سکھوں کی فوج اپنی احمقانہ حرکتوں سے اپنے انجام کو قریب تر لے آئے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی موت کے دس سال بعد ہی پنجاب پر مکمل طور سے انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ یہ انجام شاید اس معاہدے میں مضمر تھا جس پر رنجیت سنگھ نے انگریزوں کے ساتھ دستخط کیے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ انگریزوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ جب ان کا کنٹرول اٹھ گیا اور انگریزوں کی طاقت اور حکمت عملی کو کھل کھیلنے کا موقع ملا تو ان کی سلطنت باقی نہ رہی۔ بہرکیف رنجیت سنگھ کا کام اپنا نقش چھوڑ گیا ہے اور انگریزوں نے ان کی بہت سی باشعور پالیسیوں اور اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے ان کی یاد کا احترام کیا۔

www.taemeernews.com

حکومتِ ہند نے وزارتِ تعلیم میں نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا کو ایک خود مختار تنظیم کی حیثیت سے ۱۹۵۷ء میں اس اہم ترین مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قائم کیا تھا کہ ملک میں ایک ایسی فضاء تخلیق کی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ لوگ کتابیں پڑھنے کی طرف راغب ہوں۔

ٹرسٹ کی سرگرمیوں میں یہ باتیں شامل ہیں:
کتابوں کے میلے اور نمائش منظم کرنا، تصنیف و تالیف، ترجمہ، اشاعت اور کتابوں کی تقسیم سے متعلق مسائل پر مذاکروں اور کارگاہوں کا اہتمام کرنا۔

ٹرسٹ اپنے اس مقصد کو آگے بڑھاتے ہوئے اچھا ادب پیش کرتا ہے اور اچھے ادب کی تخلیق کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور یہ کوشش کرتا ہے کہ اس قسم کا ادب مناسب قیمتوں پر لوگوں کو فراہم کیا جائے۔